دعوتی، فکری، اصلاحی، علمی اور ادبی مضامین کا گلدستہ

مقالات ومشاہدات

ترمیم شدہ ایڈیشن

تالیف

محمد مسعود عزیزی ندوی

رئیس مرکز احیاء الفکر الاسلامی، مظفر آباد، سہارنپور

ناشر

دار البحوث والنشر

مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفر آباد، سہارنپور (یوپی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سلسلہ مطبوعات مرکز احیاء الفکر الاسلامی............(۱۳)

نام کتاب: مقالات ومشاہدات

تالیف: محمد مسعود عزیزی ندوی

صفحات: ۲۳۴/

تعداد: ۱۱۰۰/

قیمت: ۸۰/روپے

پہلا ایڈیشن ۲۰۰۸ء م ۱۴۲۹ھ

دوسرا ایڈیشن ترمیم شدہ ۲۰۱۷ء م ۱۴۳۸ھ

کمپوزنگ: عزیزی کمپیوٹر سینٹر مرکز احیاء الفکر الاسلامی

ناشر

دار البحوث والنشر

مرکز احیاء الفکر الاسلامی، مظفر آباد، سہارنپور (یوپی)

Mob: 09719831058, 09719639955

Email. masoodazizi94@gmail.com - www.mifiin.org

ملنے کے پتے

☆ دار الکتاب، دیوبند، سہارنپور (یوپی) ☆ نعیمیہ بک ڈپو، دیوبند سہارنپور

☆ مکتبہ ابو الحسن، محلہ مفتی سہارنپور ☆ مکتبہ ندویہ، دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

☆ اتحاد بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور ☆ الفرقان نیا گاؤں مغربی (نظیر آباد) لکھنؤ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دوسرا ایڈیشن

مقالات ومشاہدات کا پہلا ایڈیشن ۲۰۰۸ء میں شائع ہوا تھا، ایک عرصہ سے ختم ہورہا تھا، طالبین کی طرف سے اس کتاب کی مانگ آرہی تھی، مگر اسٹوک میں نہ ہونے کی وجہ سے منع کردیا جاتا تھا، اب اللہ تعالی کی توفیق اور اس کی مدد سے اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن قارئین کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے، یہ ایڈیشن پہلے ایڈیشن سے بالکل مختلف ہے، اس ایڈیشن میں آٹھ باب قائم کئے گئے، اور کئی سارے مضامین اس میں سے نکال دیئے گئے، وہ راقم کی دوسری کتاب ''دردِ دل'' میں شامل کرلئے گئے اور ان کی جگہ بعض دوسرے اہم مضامین اس میں شامل کئے گئے ہیں، اس طرح یہ کتاب ۲۸ر مضامین پر مشتمل ہے، جو پہلے سے زیادہ بامعنی اور مفید ہوگئی ہے، اللہ تعالی قبول فرمائے اور اس ایڈیشن کو بھی اسی طرح پزیرائی حاصل ہو، جس طرح پہلا ایڈیشن قبول ہوا، اور اللہ تعالی ہر چیز پر قادر ہے، والسلام۔

محمد مسعود عزیزی ندوی
رئیس مرکز احیاء الفکر الاسلامی، مظفرآباد

۲۸ر ربیع الثانی ۱۴۳۸ء
مطابق ۲۵ر جنوری ۲۰۱۷ء بروز بدھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض ناشر

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيدالمرسلين محمد وآله وصحبه أجمعين. أما بعد:

پیش نظر کتاب میرے برخوردار عزیزم مولوی قاری مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی رئیس مرکز احیاء الفکر الاسلامی کے مختلف موقعوں خاص طور سے ماہنامہ ''نقوش اسلام'' میں لکھے گئے دعوتی، فکری، علمی، ادبی اور اصلاحی مضامین کا مجموعہ ہے، جو ''مقالات ومشاہدات'' کے نام سے مرکز احیاء الفکر الاسلامی کے تحقیقی وتصنیفی شعبہ ''دارالبحوث والنشر'' کی طرف سے شائع کی جارہی ہے، چونکہ یہ مضامین امت کے لئے ایک پیغام عمل، دعوت فکر اور بلند افکار ورجحانات کی ترجمانی پر مشتمل ہیں، اس لئے آج کل کے اس پرآشوب وپرفتن دور میں ایسے فکری اور دعوتی مضامین کی اہمیت اور ضرورت بڑھ جاتی ہے۔

امید کی جاتی ہے کہ امت کی نسل نو خاص طور سے نوجوان طبقہ میں ان مضامین سے فائدہ اٹھائے گا اور اپنے قوت فکر وعمل میں جلا اور نکھار پیدا کرے گا، اللہ تعالی اس کتاب کو قبول فرمائے اور جس مقصد اور جس جذبہ کے تحت یہ لکھی گئی ہے اس میں کامیابی عطا فرمائے۔

والسلام

عبدالستار عزیزی
جنرل سکریٹری دارالبحوث والنشر
مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفرآباد، سہارنپور

۲۰۰۸/۵/۶ء

انتساب

❁ امت کے ان جیالوں کے نام جودلِ دردمند،فکرِ ارجمند، زبانِ ہوشمند، اندازِ دلبرانہ،کردارِقاہرانہ رکھتے ہیں۔

❁ امت کے ان دانش کدوں کے نام جہاں رجال سازی، درس اخوت ،فکرِامت اورایثاروقربانی کے جام پلائے جاتے ہیں۔

❁ امت کے ان قلمکاروں کے نام جن کے قلم کی جولانیاں باطل کیلئے شمشیر براں، طالب کیلئے شمع فروزاں اورحق کے متلاشیوں کیلئے قندیل راہب اور مینارہ نور ہیں۔

❁ امت کےان اساتذہ کے نام جواپنے شاگردوں کوگھول کر پلانے کاہنر رکھتے ہیں۔

❁ امت کےان مربیوں اورمشائخ کےنام جونگاہوں سےتقدیریں بدلنےکاگُر جانتے ہیں۔

❁ امت کےان والدین کے نام جواولاد کےحسن ادب،حسن تعلیم ،حسن دنیا اورحسن آخرت کےخواہاں ہیں۔

❁ امت کےان مخیّرین، مخلصین کے نام جودینی ،دعوتی اور تعلیمی کاموں میں تعاون اپنا دینی فریضہ سمجھتے ہیں۔

❁ اساتذہ کرام کے نام جن کی تعلیم وتربیت نے کچھ لکھنے پڑھنے کا سلیقہ عطا کیا۔

❁ والدین ماجدین کے نام جن کی شفقتوں اورتوجہات سے دینی تعلیم حاصل کرنے کا موقع ملا۔

یکم ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ — محمد مسعود عزیزی ندوی
۶/اپریل ۲۰۰۸ء شب دوشنبہ — رئیس مرکزاحیاءالفکرالاسلامی مظفرآباد

فہرست مضامین

انتساب: ---------- ۴
دوسرا ایڈیشن: ---------- ۵
دیباچہ: مرشدالامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ---------- ۲۳
پیش لفظ: حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی ---------- ۲۴
عرض مؤلف: محمد مسعود عزیزی ندوی ---------- ۲۶
تعارف: ---------- ۲۸

پہلا باب نقوش اسلام

نقوش اسلام فکراسلامی کانقیب

ذرائع ابلاغ اور میڈیا کی ضرورت واہمیت ---------- ۴۰
مرکز میں ایک فکری ماہنامے کے اجراء کا فیصلہ ---------- //
نقوش اسلام کے اہداف واغراض ---------- ۴۱
پہلے شمارے کے خصوصیات وامتیازات ---------- ۴۲
قارئین سے خصوصی درخواست ---------- ۴۳

نقوش اسلام کاایک سال مکمل

بارگاہِ الہ میں شکروسپاس ---------- ۴۴

نقوش اسلام کی سالانہ نشریات کا خلاصہ ---------- //

سالانہ اداریے ---------- ۴۵

قارئین کی خدمت میں ایک گزارش ---------- ۴۶

تمام معاونین کا شکریہ ---------- //

نقوش اسلام کے دو سال مکمل

نقوش اسلام کے ساتھ خصوصی معاملہ ---------- ۴۸

نقوش اسلام کے معاونین کا شکریہ اور ان سے مخلصانہ گزارش ---------- //

شذرات ---------- ۴۹

پیسہ پھینکو تماشہ دیکھو ---------- //

یہ تو آج کل لوگوں نے بزنس بنا رکھا ہے ---------- ۵۰

لمبی لمبی لاحول پڑھی ---------- //

آپ کو عربی نہیں آئے گی ---------- //

حضرت گھنٹہ تو کوئی خالی نہیں ہے ---------- ۵۱

نقوش اسلام کے تین سال مکمل

تمام احباب اور مضمون نگاروں کا شکریہ ---------- ۵۲

مختلف مضامین کی کتابوں کی شکل میں اشاعت ---------- //

رسالہ کے کچھ مخصوص کالم ---------- ۵۳

رسالہ ترقی کی راہ پر گامزن ---------- ۵۴

تمام معاونین کا شکریہ ---------- ۵۵

نقوش اسلام اپنی عمر کے پانچویں سال میں

اللہ تعالی نافع کو باقی رکھتا ہے ---------- ۵۶

آج کل کسی اردو رسالہ کا پابندی سے نکلنا فضل الٰہی ہے ---------- //

دینی رسائل کے لئے بجٹ نہیں ---------- //

نقوش اسلام اپنی الگ شناخت بنا چکا ہے ---------- ۵۷

قارئین کی دلچسپی رسالہ کی کامیابی کی ضمانت ہے ---------- ۵۸

رسالہ کی مقبولیت پر اللہ کا شکر ---------- //

دوسرا باب بعض مہینوں کی فضیلت واہمیت

ربیع الاول میں طلوع ہونے والا آفتاب

مکہ کی سنگلاخ زمین میں توحید ونبوت کا بیج ---------- ۶۰

چھٹی صدی کی دنیا ---------- //

توحید ونبوت کا اعلان ---------- ۶۱

اعلان کے بعد لوگوں کی تین جماعتیں ---------- //

تیسری جماعت مسلمانوں کی ---------- ۶۲

صحابہ کی جانثار جماعت اور دین کی اشاعت ---------- //

سیرت کا پیغام مسلمانوں کے نام ---------- //

برکتوں کا مہینہ رمضان اور ہماری ذمہ داری

رمضان میں قرآن نازل ہوا ---------- ۶۴

رمضان میں جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں ---------- //
ہرعمل کا ثواب دس سے سوگنا تک ---------- //
رمضان کی بعض فضیلتیں ---------- ۶۵
رمضان میں تمام آسمانی کتابوں کا نزول ---------- //
روزہ کی برکتیں ---------- ۶۶
رمضان کی تقسیم اوراس کی برکتیں ---------- //
رمضان میں مسلمان کیا کرے؟ ---------- ۶۷

حج پر جانے والوں کی خدمت میں

حج اسلام کا چوتھا رکن اوراس کی فرضیت ---------- ۶۸
حج پر جانے سے پہلے مسلمانوں کی خرافات ---------- //
اگراللہ خوش نہ ہوا تو ---------- ۶۹
سفر سے پہلے اور دوران سفر حاجی کی کیا کیفیت ہونی چاہیے؟ ---------- //
احرام کی حالت میں کیا کریں؟ ---------- ۷۰
حج کی تیاری کیا ہے؟ ---------- ۷۱
حج کے ارکان واعمال ---------- //
حج کے بعد کیا کریں؟ ---------- ۷۳
مدینہ منورہ کی حاضری ---------- //
مدینہ منورہ میں حاضری اور حاجی کی کیفیت ---------- ۷۴
سلام پڑھنے کا طریقہ ---------- //
شیخین پر کیسے سلام پڑھا جائے؟ ---------- ۷۵

مسجد نبویؐ میں پنج گانہ نمازوں کا اہتمام ---------- //
حج کے بعد حاجی کی زندگی کیسی ہونی چاہیے؟ ---------- ۷۶

تیسرا باب خطابت وصحافت

خطیب اور خطابت

خطابت میں زیادہ وسائل کی ضرورت نہیں ---------- ۷۸
تاریخ میں مشہور خطباء اور مقررین ---------- ۷۹
آپ کس طرح تقریر اور خطاب کریں ---------- ۸۰

صحافت اور صحافی کا طریقہ کار

صحافت کیا ہے؟ ---------- ۸۱
صحافت کے اصول ---------- //
صحافت کا طریقہ کار ---------- ۸۲
صحافی کا دائرہ لامحدود ہے ---------- ۸۳
صحافی کو کیا کرنا چاہیے ---------- //
صحافتی تحریروں کے لئے چھ اہم نکات ---------- ۸۴

چوتھا باب اردو زبان اوراس کی ترویج وترقی

جنگ آزادی میں اردو صحافت کا حصہ

جنگ آزادی میں اردو داں طبقہ کا رول ---------- ۸۶

جنگ آزادی میں اردو اخبارات کا رول ---------- //
اردو اخبارات کے مدیروں نے ہر طرح کی قربانیاں دیں ---------- ۸۷
اردو کے صحافیوں، ادیبوں اور شاعروں نے اپنی تخلیقات سے عوام میں بیداری پیدا کی - ۸۹
جنگ آزادی کے دور کے قائدین کی دو خصوصیتیں ---------- //
آزادی کے بعد اردو صحافت کا کھلے دل سے اعتراف نہیں ہوا ---------- ۹۰

اردو زبان وادب کے ارتقاء میں دکن کا حصہ

اردو زبان کی خصوصیتیں ---------- ۹۱
لفظ اردو کی تشریح ---------- //
زبان کے مختلف خاندان ---------- ۹۲
ہندی، پنجابی، راجستھانی اور سندھی آپس میں بہنیں ہیں ---------- //
اردو کی ابتداء ---------- //
اردو زبان کی تشکیل کا دور ---------- ۹۳
اردو زبان نے دکن میں کافی ترقی کی ---------- ۹۳
اردو کا فروغ مغلیہ سلطنت میں کے دور میں ---------- ۹۴
اردو زبان کے مختلف روپ ---------- //
دکن میں اردو زبان کی ابتداء ---------- ۹۶
دکن میں ایرانی علماء اور شعراء کی آمد ---------- //
اردو زبان کا آغاز جنوبی ہند سے ہوا ---------- ۹۷
بہمنی دور کی اولین اور اہم ترین تصنیف ---------- ۹۸
اس مثنوی میں اسلوب کے دو پہلو ---------- ۹۹

بہمنی دور میں پائے جانے والے رجحانات ---------- //
اس عہد میں زبان وبیان کی ارتقائی کیفیت کی مظہر تصانیف ---------- ۱۰۱
اردو زبان کی تاریخ کو سمجھنے کے لئے ادوار کی تقسیم ---------- ۱۰۲
دکنی ادب کے کئی کارنامے ---------- //
دکن میں اردو زبان کو چار ادوار پر منقسم کیا جاتا ہے ---------- ۱۰۳
بہمنی دور کے مشہور شعراء وادباء ---------- ۱۰۴
قطب شاہ کے لسانی تجربہ کا اہم پہلو ---------- //
قطب شاہی دور میں اردو کا فروغ اور اس عہد کے اساطین علم وادب ---------- ۱۰۵
گولکنڈہ کے مشہور شعراء ---------- //

زبان وقلم کے ذریعہ اردو زبان وادب کی آبیاری میں فضلائے مدارس کا رول

اردو ایک شیریں زبان ہے ---------- ۱۰۷
اردو کے اولین خدمت گزار ادباء ---------- //
اردو کے شعراء اور ادباء ---------- ۱۰۸
بے ادب ادباء ---------- ۱۰۹
صحیح ادباء علماء کرام ہیں ---------- //
بعض اکابر علماء اور ادباء ---------- ۱۱۰
موجودہ دور کے علماء ادباء ---------- ۱۱۱
اردو کے دوسرے خدمت گزار ---------- //
یہ تحریر اس انداز پر سوچنے کی ایک تمہید ہے ---------- ۱۱۲

پانچواں باب زبان وادب

ابراہیمی قصوں میں قرآنی ہدایات

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تاریخ پیدائش ---------- ۱۱۴

حضرت ابراہیم علیہ السلام بچپن سے ہی سلیم الفطرت تھے ---------- //

والدین کو کیسے نصیحت کریں ---------- ۱۱۵

چاند، ستارے اور سورج خدا نہیں ہوسکتے ---------- ۱۱۶

بتوں میں نفع ونقصان پہنچانے کی صلاحیت نہیں ---------- //

میرا رب وہ ہے جو مارتا اور جلاتا ہے ---------- ۱۱۷

داعی کی اللہ تعالی کیسے حفاظت کرتا ہے ---------- ۱۱۸

پاک دامن کی اللہ تعالی کیسے حفاظت کرتا ہے ---------- ۱۱۹

اطمینان قلب کے لئے مشاہدہ ---------- //

بیوی بچہ کی قربانی ---------- ۱۲۰

اکلوتے بیٹے کی قربانی ---------- ۱۲۱

بیت اللہ کی تعمیر ---------- ۱۲۲

نبی آخر الزماں کی بعثت کی دعا ---------- ۱۲۳

حضرت اسحاق کی ولادت کی خوشخبری ---------- ۱۲۴

میزبانی کے آداب ---------- //

احادیث نبویہ میں نسوانی احساسات وجذبات کی جھلکیاں

حدیث انسانی ادب کا بہترین شاہکار ---------- ۱۲۶

حدیث ام زرع ---------- //

گیارہ عورتوں کی باتیں ---------- ۱۲۷

میرا شوہر ناکارہ ہے ---------- //

میرا شوہر مجسمہ عیوب ہے ---------- //

میرا شوہر لمبے قد کا ہے ---------- ۱۲۸

میرا شوہر معتدل مزاج ہے ---------- //

میرا شوہر گھر میں چیتا بن جاتا ہے ---------- //

میرا شوہر سب نمٹا دیتا ہے ---------- //

میرا شوہر صحبت سے عاجز ہے ---------- ۱۲۹

میرا شوہر خوشبو میں زعفران ہے ---------- //

میرا شوہر اونچے مکان والا ہے ---------- //

میرا شوہر قابل تعریف ہے ---------- //

ام زرع کی کہانی ---------- ۱۳۰

جریج کا واقعہ ---------- ۱۳۲

گود میں بولنے والے تیسرے بچہ کا واقعہ ---------- ۱۳۳

حدیث کے فوائد ---------- ۱۳۴

اکبر الہ آبادی کے کلام میں طنز ومزاح کے عناصر

اکبر قادر الکلامی میں بے مثال تھے ---------- ۱۳۵

اکبر کی ابتدائی تعلیم وتربیت ---------- ۱۳۶

اکبر کو انگریزوں کی تہذیب سے دلی نفرت تھی ---------- //

اکبر الہ آبادی کا تعلق علماء دیوبند سے تھا ---------- ۱۳۷

اکبر ایک طنزیہ نگار شاعر تھے ---------- //

طنز ومزاح کا مقصد معاشرہ کے کمیوں کو دور کرنا تھا ---------- ۱۳۹

اکبر کے مزاج میں طنز ومزاح کا عنصر غالب تھا ---------- //

اکبر کا کہنا تھا کہ ہر تبدیلی ترقی نہیں لاسکتی ---------- ۱۴۰

اکبر کی شاعری کا مقصد قوم وملت کی اصلاح تھی ---------- //

اکبر قوم کو مغربی تہذیب کے برے اثرات سے بچانا چاہتے تھے ---------- ۱۴۱

اکبر کی شاعری کے تین دور ---------- ۱۴۲

اکبر نے انتہاء پسندی پر بھی طنز کیا اور مغرب کی نقالی اور نئی نسل کی اپنے ماضی سے بیگانگی کو بھی واضح کیا...... //

اکبر نے طنز ومزاح کے سامنے اپنی وطن پرستی اور سماجی اصلاح کا جادو جگایا --- //

اکبر کو مشرقی تہذیب پر مغربی تہذیب کا غلبہ گوارا نہ تھا ---------- ۱۴۴

اکبر نے کسی کو بھی اپنے طنز کے نشتروں سے محروم نہیں کیا ---------- ۱۴۵

اکبر اپنے اصلاحی اور انقلابی مقصد میں کامیاب ہوئے ---------- //

اکبر کے اشعار میں مضطرب دل کی دھڑکنیں ہیں ---------- ۱۴۶

اکبر انگریزوں کے سخت مخالف تھے لیکن؟ ---------- ۱۴۷

اکبر نے جس موضوع کو چاہا اختیار کرلیا ---------- //

اکبر کو مزاحیہ شاعری راس آئی ---------- ۱۴۸

غالب کے علاوہ کوئی شاعر اکبر تک نہیں پہنچا ---------- //

اکبر الہ آبادی کا کلام انقلاب آفریں ہے ---------- ۱۴۹

اکبر نے مردوزن کے بیباکانہ اختلاط کا کھل کر جہاد کیا ---------- //

اکبر نے اردو شاعری میں طرز نو ایجاد کی ---------- //

8

اردو زبان کی ترقی میں مولانا آزاد کا حصہ

مولانا ابوالکلام آزاد کی پیدائش ---------- ۱۵۱

مولانا ابوالکلام آزاد کی ذہانت وفطانت ---------- //

سترہ اٹھارہ سال کی عمر میں ایڈیٹر کا منصب ---------- ۱۵۲

مولانا آزاد کے ہم نے آپ کی خوبیوں کا اعتراف کیا ---------- //

مولانا آزاد گیارہ سال کی عمر میں صحافت کے سفر پر نکل پڑے ---------- ۱۵۳

بھرمجمع میں فصاحت وبلاغت کے ساتھ ترجمہ کرنا ---------- //

مولانا آزاد نے پندرہ ہزار کتابوں کا مطالعہ کیا ---------- ۱۵۴

مولانا آزاد نے اردو زبان کی ترقی میں اہم رول ادا کیا ---------- ۱۵۵

اردو کے لئے سہ لسانی فارمولے کی تجویز ---------- ۱۵۷

اردو کے تحفظ کے لئے مولانا آزاد کی مساعی جلیلہ ---------- ۱۵۸

چھٹا باب بعض تحریکیں

فلسطین کے حل کے امکانات

فلسطین اور اس کا محل وقوع ---------- ۱۶۱

فلسطین ارض مقدس ہے ---------- //

ایک ہو جائیں تو بن سکتے ہیں خورشید مبیں ---------- ۱۶۲

فلسطین پر قبضے کی تاریخ ---------- //

فلسطین پورے عالم اسلام کے مسلمانوں کا مسئلہ ہے ---------- ۱۶۳

فلسطین میں مملکت اسرائیل کیلئے ایک غیر منطقی دلیل ---------- ۱۶۴

برطانیہ، امریکہ اور جاپان بھی اصل باشندوں کیلئے خالی کرنے پڑیں گے ---- //

المیہ فلسطین کی اساس یا اسرائیل کا سب سے بڑا خالق ---------- ۱۶۵

عرب قیادت کی تاریخی غلطی ---------- //

مسئلہ فلسطین کا حل کیسے ممکن ہے؟ ---------- ۱۶۷

آج مسلمانوں کے ایمان کامل کی ضرورت ہے ---------- ۱۶۸

مادی، سیاسی، روحانی اور ایمانی طاقت بھی ضروری ہے ---------- ۱۶۹

ندوۃ العلماء ایک مثالی تحریک

ندوۃ العلماء کی تاسیس ---------- ۱۷۰

چودہویں صدی ہجری کی سب سے زیادہ سنجیدہ ہمہ گیر، صالح علمی اور اصلاحی تحریک --- //

ندوۃ العلماء کی تاسیس کے موقع پر موجود مایہ ناز اسلاف امت ---------- ۱۷۱

تحریک ندوہ کے مقاصد ---------- //

ندوہ کی تحریک کی خصوصیات ---------- ۱۷۲

ندوہ کی اب سے پہلے زیادہ ضرورت ---------- ۱۷۳

ندوہ کے دو شہپر ---------- ۱۷۴

ندوۃ العلماء قلب ودماغ کی دوئی کو ختم کرنے کیلئے وجود میں آیا ---------- ۱۷۵

ندوۃ العلماء کی زبان وادب کا رشتہ اتصال ---------- //

دارالعلوم ندوۃ العلماء کے چند نمایاں پہلو ---------- ۱۷۶

ندوہ کے اہم مختصر کارنامے ---------- ۱۷۷

پڑھے لکھوں کی بعض غلط فہمیاں اور ان کا ازالہ

ایک دوسرے کو سمجھنے کی کوشش کریں ---------- ۱۸۰

دیوبند اور ندوہ کا شجرہ نسب ایک ہے ---------- //

ندوہ کے متعلق بعض غلط فہمیاں ---------- ۱۸۱

راقم اسلاف امت اور اہل سنت والجماعت کا متبع ہے ---------- ۱۸۲

ندوہ میں روحانیت بھی ہے ---------- //

ندوہ میں صحاح ستہ فقہ اور تفسیر بھی پڑھائی جاتی ہے ---------- ۱۸۳

دارالعلوم دیوبند سے متعلق بعض غلط فہمیاں ---------- //

ندوہ اور دیوبند اپنے مقاصد میں کامیاب ---------- ۱۸۴

دارالعلوم دیوبند کے قیام کا مقصد ---------- //

ندوہ کے قیام کا مقصد ---------- //

دونوں اداروں کی اپنی الگ الگ ساخت ہے ---------- //

مدارس کی تاریخ بھی بڑی پرانی ہے ---------- ۱۸۵

علماء حق کی اصطلاح قائم کرنی چاہیے ---------- //

تبلیغی جماعت کے احباب میں بعض غلط فہمیاں ---------- ۱۸۶

دین صرف جماعت کا نام نہیں ہے ---------- //

بعض مرتبہ علماء کی اہمیت نہ سمجھنا ---------- ۱۸۷

قرآن وحدیث کے حلقے ---------- //

تبلیغ کی تاریخ بھی پرانی ہے ---------- //

حضرت مولانا محمد الیاس تبلیغی تحریک کے بانی اور مجدد و مبلغ ہیں ---------- ۱۸۸

اکابر تبلیغ علماء مدارس ہی تھے ---------- //

مدارس دین کی اشاعت وحفاظت کے قلعے ---------- ۱۸۹

اہل مدارس اور جماعت کے احباب میں ربط وتعلق مضبوط ہونا چاہیے ---------- //

دور کے دشمن کا اتنا خطرہ نہیں جتنا اپنے پڑوسی کا ---------------------- ۱۹۰
قوم کا گرجانا شخصی عزت کو سنبھال نہیں سکتا ---------------------- //
غیروں کی خواہش مسلمانوں کی اینٹ سے اینٹ بجانا ---------------------- ۱۹۱
خود بھی کامیاب ہوں گے امت بھی ---------------------- //

فتنہ قادیانیت نبوی محمدی کے خلاف بغاوت

ہر زمانہ میں اسلام کے خلاف بغاوت کرنیوالے پیدا ہوئے ---------------------- ۱۹۲
ہندوستان میں نبوت محمدی کے خلاف بغاوت کرنیوالے ---------------------- //
مرزا غلام احمد قادیانی انگریز کا خود کاشتہ پودا ---------------------- ۱۹۳
قادیانیوں کی سرگرمیاں ---------------------- //
اس امت کی بقاء عقیدہ ختم نبوت پر ہے ---------------------- ۱۹۴
حضور صلی اللہ علیہ وسلم قیامت تک کے لئے آخری نبی ---------------------- //
اب قیامت تک اسلام کے علاوہ کوئی دین مقبول نہیں ---------------------- ۱۹۵

ساتواں باب اسلام کے بعض محاسن

دین اور شعائر دین

یہ دین قیامت تک کے لئے ہے ---------------------- ۱۹۷
آج کل کے جدت پسندوں کا وطیرہ ---------------------- //
خلیجی ممالک میں لوگوں کا انداز ---------------------- ۱۹۸
امامت کے سلسلہ میں بے راہ روی ---------------------- ۱۹۹
مسلم اور غیر مسلم میں ظاہری امتیاز ---------------------- //

چودہ سو سال سے مسلمانوں کا طریقہ ---------------------- ۲۰۰
آج کل فتنوں کا دور ہے ---------------------- //

اسلام اور ترقی

اللہ کے نزدیک سب سے پسندیدہ مذہب اسلام ہے ---------------------- ۲۰۲
مسلمانوں کے اعمال اسلام کے مطابق نہیں ---------------------- ۲۰۳
اسلام ترقی کی دعوت دیتا ہے ---------------------- //
غیر مسلموں کی تقلید ---------------------- ۲۰۴
بعض غلط چیزوں کو ترقی کا ذریعہ سمجھنا ---------------------- //
اللہ تعالی اگر مال دیدے تو ہم اس کی عبادت کیلئے فارغ ہو جائیں گے ------ ۲۰۵
ترقی کی قسمیں ---------------------- ۲۰۶
اسلام کی ترقی اور موجودہ ترقی ---------------------- //
صحابہ کرام کی ترقی ---------------------- ۲۰۷
مال کی ترقی ---------------------- ۲۰۸
عزت کی ترقی ---------------------- //
حکومت کی ترقی ---------------------- ۲۰۹
اسلامی اصول اور غیروں کی ترقی کا اصلی راز ---------------------- //

اسلام میں پردہ کی اہمیت

ہر زمانہ میں پردہ کا رواج ---------------------- ۲۱۱
عورت گھر کی زینت ہے ---------------------- //

11

قرآن کریم اوراحادیث میں پردہ کی اہمیت ------ ۲۱۲
آج کل عورتیں کیسے پردہ کرتی ہیں ------ ۲۱۳
نابیناصحابی سے پردہ کاحکم ------ //
شیطان عورت کی تانک جھانک کرتاہے ------ //
عورتوں کے نام اسلام کاپیغام ------ ۲۱۴

عورتوں کے لئےعلم کی اہمیت

علم کاطلب کرناہرمسلمان مردوعورت پرفرض ہے ------ ۲۱۵
عورت معاشرے کی بنیادی اینٹ ------ //

آٹھواں باب شخصیات

دوممتاز صحابیات اورعمل تجارت

تجارت ایک بابرکت پیشہ ہے ------ ۲۱۸
تاجرصحابیات ------ //
حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ------ ۲۱۹
نام ونسب ------ //
نکاح ------ //
تجارت ------ //
حضرت خدیجہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقدمیں ------ ۲۲۰
اسلام ------ ۲۲۱
وفات ------ //

اولاد ------ ۲۲۲
فضائل ومناقب ------ ۲۲۳
حضرت اسماءبنت مخربہ ------ ۲۲۵

جناب مسعودعثمانی سے پہلی اورآخری ملاقات

پہلی ملاقات ------ ۲۲۸
نقوش اسلام کی منظوری میں عثمانی صاحب کی جدوجہد ------ //
عثمانی صاحب کی خصوصیات ------ ۲۲۹
آخری ملاقات ------ //
وفات ------ ۲۳۰

حسرت توان غنچوں پہ ہے جوبن کھلے مرجھاگئے

ہرچیزفناہونے والی ہے ------ ۲۳۱
مرض بڑھتاگیاجوں جوں دواکی ------ ۲۳۲
اس بچی کی کچھ خصوصیتیں ------ ۲۳۳
والدین کے ذخیرہ آخرت ------ ۲۳۴

دیباچہ

مرشدالامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ وصدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مولوی محمد مسعود عزیزی صاحب ندوی کو اللہ تعالی نے علم وتعلیم کی خدمت اور دینی ودعوتی لٹریچر تیار کرنے کی صلاحیت عطا فرائی ہے، جس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انھوں نے دینی تعلیم کا مرکز بھی قائم کیا اور تصنیف وتالیف کا کام بھی انجام دیا اور یہ سلسلہ برابر قائم ہے۔

ہمارے پیش نظر ان کے مقالات کا یہ مجموعہ ''مقالات ومشاہدات'' ہے جو دعوتی ودینی موضوعات پر مشتمل ہے، اس میں عام دینی معلومات کے مقالات بھی ہیں اور دعوتی مقاصد سے انہوں نے جو اسفار کئے ہوئے ہیں، ان کے تجربات پر مشتمل حالات بھی ہیں۔

امید ہے کہ اس مجموعہ سے مطالعہ کا ذوق رکھنے والے اور علمی وثقافتی معلومات کے خواہش مند بڑا فائدہ اٹھائیں گے، اللہ تعالی قبول فرمائے اور مفید بنائے۔ آمین

محمد رابع حسنی ندوی ۱۰/۷/۱۴۲۸ھ

ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ ۲۶/۷/۲۰۰۷ء

پیش لفظ

حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی

معتمد تعلیم دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

پیش نظر کتاب ''مقالات ومشاہدات'' مولانا محمد مسعود عزیزی ندوی کے مضامین کا مجموعہ ہے، جو انہوں نے مختلف وقتوں میں لکھے اور رسائل خاص طور پر خود ان کی ادارت میں نکلنے والے رسالہ ''نقوش اسلام'' میں شائع ہوئے ، ان مضامین کا تعلق مختلف موضوعات سے ہے، ان میں بعض ان کے مشاہدات اور تأثرات پر مبنی ہیں، جو انہوں نے بعض اداروں اور علمی مراکز یا دینی درسگاہوں کے پروگراموں میں شرکت کے موقع پر لکھے، بعض علمی تحریکوں اور تنظیموں سے متعلق ہیں، خاص طور پر ندوۃ العلماء سے متعلق ایک تفصیلی مضمون ہے، جس میں انہوں نے اپنی طالب علمی کی زندگی کا بڑا حصہ گزارا، بعض کا تعلق موجودہ دور کے بعض افکار ورجحانات سے ہے، یہ مدارس کے طلبہ اور اساتذہ کے لیے مفید ہے۔

مولانا محمد مسعود عزیزی ندوی اپنی طالب علمی کے زمانہ میں مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہے اور استفادہ کیا، اسی تعلق کی بنا پر وہ مفکر اسلام کے افکار ونظریات اور طرز زندگی سے متأثر ہو کر پہلے انہی کے نام سے رسالہ نکالنا چاہتے تھے اور اس کا مقصد جیسا کہ انہوں نے اپنے پہلے مضمون میں بیان کیا ہے،

فکر اسلامی کی تجدید واشاعت کے ساتھ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی طرف انتساب بھی مقصود تھا، مگر رجسٹرار کے دفتر نے وہ نام قبول نہیں کیا۔

انہوں نے دارالعلوم ندوۃ العلماء سے فراغت کے بعد اس مقصد سے ایک ادارہ ’’مرکز احیاء الفکر الاسلامی‘‘ قائم کیا، اس کے ذریعہ تعلیم وتربیت اور دعوت اسلامی کا کام وہ اپنے حالات اور وسائل کے اعتبار سے کر رہے ہیں، مسلم خواتین کی تعلیم کے لیے ایک الگ ادارہ بھی قائم کیا ہے اور ان کے قلم سے تجوید سے لے کر فکر اسلامی اور فقہ اسلامی کے موضوعات پر متعدد رسالے بھی نکل کر مقبول عام ہوئے۔

ندوۃ العلماء کے ذمہ داروں خاص طور پر حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ناظم ندوۃ العلماء وصدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ سے ان کا برابر رابطہ رہتا ہے۔

یہ مضامین آسان زبان میں ہیں اور ان کا دائرہ متنوع اور وسیع ہے، علمی بھی ہیں اور عام فہم اور عوامی دلچسپی کے بھی، اس لیے ہر طبقہ اور ہر سطح کا قاری ان مضامین سے فائدہ اٹھا سکتا ہے اور اس فکری انتشار اور تشکیک کے دور میں جب کہ مغربی میڈیا اور مغربی نظام تعلیم اسلام کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کرنے پر سارے وسائل صرف کر رہا ہے، ذہن کی تشکیل اسلامی کے لیے اور اسلامی مزاج پیدا کرنے کے لیے ایسے مضامین کی شدید ضرورت ہے اور جو اہل علم وقلم یہ کام کر رہے ہیں وہ قابل ستائش ہیں، اللہ تعالیٰ برکت عطا فرمائے اور ان کی کوششوں کو قبول فرمائے۔ (آمین)

۱۲/ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ — محمد واضح رشید حسنی ندوی

۲۱/ مارچ ۲۰۰۸ء — دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض مؤلف

راقم سطور کے طالب علمی کے زمانے کے چند مضامین مختلف موضوعات سے متعلق لکھے ہوئے رکھے تھے، جب مارچ ۲۰۰۶ء سے مرکز احیاء الفکر الاسلامی سے ایک ماہنامہ ’’نقوش اسلام‘‘ نکالنا شروع کیا تو اس کے چیف ایڈیٹر ہونے کی حیثیت سے ہر ماہ اداریے لکھنے کی توفیق نصیب ہوئی اور اداریوں کے علاوہ دوسرے مضامین بھی لکھنے کا موقع ملا، جو رسالہ مذکورہ میں شائع ہوئے، پھر یہ تمام مضامین ’’مقالات عزیزی‘‘ کے نام سے شائع کرنے کا خیال پیدا ہوا، جن کو کتابت کے بعد راقم نے اپنے مرشد ومربی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ وصدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کی خدمت میں پیش کیا، حضرت مولانا نے ان کا نام بدلنے کا مشورہ دیا اور ’’مقالات ومشاہدات‘‘ نام منتخب فرمایا۔

چنانچہ پیش نظر مجموعہ ۲۸/ مضامین پر مشتمل ہے، اس میں اکثر مضامین تو ’’نقوش اسلام‘‘ کے اداریے ہیں اور کچھ مضامین طالب علمی کے زمانے کے لکھے ہوئے ہیں مثلاً طالب علمی کا سب سے پہلا مضمون ’’اسلام اور ترقی‘‘ ہے، جو مدرسہ فیض ہدایت رحیمی رائے پور میں لکھا تھا، اس کے بعد ’’ندوۃ العلماء لکھنؤ ایک مثالی تحریک‘‘ مدرسہ ضیاء العلوم میدان پور رائے بریلی میں لکھا تھا اور باقی سب مضامین خطیب اور خطابت، صحافت اور صحافی کا طریقہ کار یہ سب ندوۃ العلماء لکھنؤ میں لکھے تھے، ان تمام مضامین ومقالات کو آٹھ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے، پہلے یہ کتاب ۴/ ابواب پر مشتمل تھی، اب اس میں کچھ کمی زیادتی اور ترمیم کی گئی ہے۔

اداریوں میں خاص طور سے اسلامی فکر، دینی دعوت، جذبہ عمل اور دینی کاموں سے شوق ولگن کا انداز، ایثار وقربانی اور ملت کی ہمدردی وغمگساری اور درد اخوت کا صور پھونکنے کی بلکہ اپنا دل نکال کر رکھنے کی کوشش کی ہے، اس لیے وہ زیادہ تر فکری، جذباتی، دعوتی اور دل کو مہمیز لگانے والے ہیں، مضامین کو دلچسپ بنانے کے لیے اور قاری میں مطالعہ کی رغبت پیدا کرنے کے لیے ذیلی عناوین لگائے گئے ہیں تاکہ دوران مطالعہ قاری کو تھکاوٹ وگرانی محسوس نہ ہو، اللہ کرے کہ یہ جس مقصد کے لیے لکھے گئے وہ ضرورت پوری ہو اور اس میں کامیابی ہو اور قاری کے دل پر اثر انداز ہو کر اس کے اندر عملی طور پر اقدام کرنے کا جذبہ وشوق پیدا ہو، بس اللہ ہی ہر چیز پر قادر ہے۔

اپنے شیخ ومرشد حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ کا نہایت ہی شکر گزار ہوں کہ آں موصوف نے اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود کتاب کا مسودہ دیکھا اور اپنے مشوروں سے نوازا، نیز اپنی قیمتی تحریر بھی عنایت فرمائی، نیز حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی کا بھی ممنون ومشکور ہوں کہ آنجناب نے اپنا قیمتی پیش لفظ لکھ کر مضامین اور صاحب مضامین کی حوصلہ افزائی فرمائی، اللہ تعالی آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے، عزیزم مولوی حمید اللہ قاسمی کا بھی شکر گزار ہوں کہ آں عزیز نے کتابت وطباعت کے سلسلہ میں دوڑ ودھوپ کی، اللہ تعالی ان کو بھی جزائے خیر عطا فرمائے۔

اخیر میں قارئین سے گزارش کی جاتی ہے کہ اگر ان مضامین سے کچھ فائدہ ہو تو راقم کے لیے حسن خاتمہ کی دعا ضرور فرمادیں اور اگر کوئی غلطی یا کمی محسوس ہو تو طالب علم سمجھ کر معاف کردیں اور اللہ تعالی سے حق تک پہنچنے کی دعا فرمائیں۔ والسلام

یکم ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ — محمد مسعود عزیزی ندوی

۶/اپریل ۲۰۰۸ء شب دوشنبہ — رئیس مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفر آباد

ترمیم ونظر ثانی: ۲۷/ربیع الاول ۱۴۳۸ھ مطابق ۲۶/دسمبر ۲۰۱۶ء بروز پیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعارف صاحب کتاب

مولانا قاری مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی بن حافظ عبد الستار بن منشی عبد العزیزؒ بروز جمعہ ۱۲/ربیع الاول ۱۳۹۴ھ م ۵/اپریل ۱۹۷۴ء مظفری قصبہ مظفر آباد ضلع سہارنپور (یوپی) میں پیدا ہوئے، عزیزی کی نسبت اپنے دادا حضرت منشی عبد العزیزؒ کی طرف کرتے ہیں، جو ایک عبادت گذار، نیک وپرہیز گار آدمی تھے، جن کا دل ہر وقت مسجد میں لگا رہتا تھا اور علماء ربانیین اور صلحاء متقین سے گہرا تعلق تھا، مولانا کے والد صاحب حضرت حافظ عبد الستار صاحب عزیزی کی پیدائش یکم اپریل ۱۹۳۲ء کو ہوئی، انہوں نے حفظ قرآن کے بعد عصری تعلیم حاصل کی، اسکول اور دینی مدرسہ میں درس وتدریس کے بعد پوسٹ آفس میں ایک عرصے تک ملازمت کی، ریٹائرڈ ہونے کے بعد مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفر آباد میں اپنی دینی خدمات وفات تک پیش کیں، بیعت وسلوک کا تعلق حضرت مولانا سید مکرم حسین صاحب سنسار پوری سے رکھا، جو آپ کے استاذ بھی تھے، ۱۷/جولائی ۲۰۱۶ء میں وفات پائی، حضرت مولانا سید مکرم حسین صاحب سنسار پوری نے نماز جنازہ پڑھائی، جبکہ اکتالیس سال قبل آپ کے والد منشی عبد العزیز صاحب کی نماز جنازہ بھی حضرت موصوف نے ہی اکتوبر ۱۹۷۵ء میں پڑھائی تھی، مفتی صاحب کی والدہ محترمہ کی وفات ۲۰/فروری ۲۰۱۲ء میں ہوگئی تھی، اللہ تعالی سبھوں کی مغفرت فرما کر درجات بلند فرمائے۔

ابتدائی تعلیم

ابتدائی تعلیم محلّہ کی مسجد میں حافظ محمد اخلاق صاحبؒ سے حاصل کی اور یہیں قرآن مجید

کے آخری دو پارے حفظ کیے، نو سال کی عمر میں ۱۲/شوال ۱۴۰۳ھ مطابق ۲۳/جولائی ۱۹۸۳ء سنیچر کے روز کو جامعہ بیت العلوم پیپلی مزرعہ، یمنا نگر (ہریانہ) میں داخل کیے گئے اور وہاں نو سال رہ کر قرآن کریم بروایت حفص تجوید وترتیل کے ساتھ حفظ کیا، اور سند حاصل کی، وہاں اردو، ہندی، انگریزی پڑھی، فارسی اور عربی نحو وصرف کی چند کتابیں پڑھیں، نیز جامعہ اردو علی گڈھ کے امتحانات میں بھی شریک ہوئے اور ''ادیب''، ''ادیب ماہر'' کے امتحانات دیئے اور فرسٹ ڈویژن سے پاس ہوئے، اور کمپیوٹر سیکھا، وہیں کے دوران قیام اردو میں ''مختصر تجوید القرآن'' نامی ایک کتاب تصنیف کی، جس پر اس فن کے علماء نے تقاریظ لکھیں اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے مقدمہ اور حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندویؒ نے اپنی رائے لکھی، اس کتاب نے علمی حلقوں میں قبولیت حاصل کی، کراچی سے بھی اس کی اشاعت ہوئی، یہاں تک کہ بہت سے مدارس اسلامیہ میں داخل نصاب کی گئی، اور کئی ایڈیشن شائع ہوئے۔

اس کے بعد ۱۴/شوال ۱۴۱۲ھ مطابق ۱۵/اپریل ۱۹۹۲ء میں ''مدرسہ فیض ہدایت رحیمی'' رائے پور میں داخلہ لیا اور یہاں دو سال گزارے اور درس نظامی کے مطابق کافیہ وشرح جامی تک تعلیم حاصل کی، رائے پور کے قیام کے دوران حضرت حافظ عبدالرشید صاحب رائے پوریؒ (ت: ۱۹۹۶ھ) کی صحبت اختیار کی، جو عارف باللہ حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ (ت: ۱۹۶۲ء) کے خادم خاص اور خلیفہ تھے، ان کے دست مبارک پر بیعت کی، انکی مجلسوں میں شریک رہے، ان کی صحبت سے فیض اٹھایا، سفر وحضر میں ان کے ساتھ رہے، ان سے دینی وروحانی تربیت حاصل کی، اور پنجوقتہ نمازوں میں ان کی امامت کرنے کا بھی شرف حاصل کیا، ان کی وفات کے بعد ان کے حالات وسوانح پر ''حیات عبدالرشید'' کے نام سے ایک کتاب بھی لکھی، جس نے کافی مقبولیت حاصل کی، اور اس کے چار ایڈیشن شائع ہوگئے۔

اعلیٰ تعلیم

اس کے بعد ۷/شوال ۱۴۱۴ھ مطابق ۳۰/مارچ ۱۹۹۴ء میں ''مدرسہ ضیاء العلوم'' میدان پور رائے بریلی میں داخل ہوئے اور وہاں عالیہ اولیٰ تک تعلیم حاصل کی، وہاں کے ماہر اساتذۂ کرام سے استفادہ کیا اور مدرسہ کے علمی دعوتی وفکری ماحول اور آب وہوا سے متأثر ہوئے حتیٰ کہ علم ومطالعہ اور تحریر ونگارش میں اپنی صلاحیتوں کو اجاگر کیا، اور آخری سال میں ندوۃ العلماء لکھنؤ کے سالانہ امتحان میں شریک ہوئے، امتحان میں کامیابی کے بعد ۱۳/شوال ۱۴۱۵ھ مطابق ۱۵/مارچ ۱۹۹۵ء کو دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخل ہوئے اور وہاں تین سال میں ۱۴۱۸ھ مطابق ۱۹۹۸ء کو شرعی علوم اور عربی زبان وادب میں عالمیت کی سند حاصل کی۔

فقہ وفتاوی میں اختصاص

اگلے سال ماہ شوال ۱۴۱۸ھ میں درجہ فضیلت میں داخل ہوئے اور دو سال میں فقہ وافتاء میں تخصص کیا اور سند حاصل کی، شعبان ۱۴۲۰ھ مطابق دسمبر ۱۹۹۹ء میں ندوہ سے فراغت حاصل کی، ندوۃ العلماء میں قیام کے دوران دو سالوں (۱۹۹۶ء/ ۱۹۹۷ء) میں مولانا قاری ریاض احمد مظاہری صدر شعبۂ تجوید وقراءت سبعہ وعشرہ سے قراءت سبعہ کی تکمیل کی۔

ندوہ کے خاص اساتذہ

مندرجہ ذیل اساتذۂ کرام سے بطور خاص استفادہ کیا: مرشد الامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، صحافی وادیب حضرت مولانا واضح رشید حسنی ندوی، امام وخطیب حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی، مفتیٔ اعظم ندوہ حضرت مولانا مفتی محمد ظہور

صاحب ندویؒ، ادیب دوراں حضرت مولانا نذرالحفیظ صاحب ندوی ازہری، محدث جلیل حضرت مولانا ناصرعلی صاحب ندویؒ، مفسر قرآن حضرت مولانا برہان الدین صاحب سنبھلی، فقیہ زماں حضرت مولانا عتیق احمد صاحب بستوی، خطیب عصر حضرت مولانا سید سلمان حسینی صاحب ندوی، داعی الی اللہ حضرت مولانا سید عبداللہ محمد حسنی ندویؒ، حضرت مولانا یعقوب صاحب ندوی، حضرت مولانا محمد زکریا صاحب سنبھلی ندوی، حضرت مولانا نیاز احمد صاحب ندوی، حضرت مولانا رشید احمد صاحب ندوی، حضرت مولانا مفتی محمد مستقیم صاحب ندوی، حضرت مولانا برجیس صاحب ندویؒ وغیرہم۔

حضرت مفکر اسلام سے خاص تعلق

مولانا نے ندوۃ العلماء میں قیام کے دوران حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ سے بیعت کی اوران کی علمی مجلسوں اور صحبتوں سے فیضاب ہوئے، یہاں تک کہ حضرت کے قریب ہوگئے اور اخیر دور میں حضرت کی خدمت اور تین وقتوں کی نماز کی امامت کی بھی سعادت حاصل کی اور حضرت کی صحبت بابرکت سے خصوصی فیض اٹھایا اور مولانا کی آٹھ کتابوں پر حضرت نے مقدمے تحریر فرمائے، نیز نکاح بھی حضرت مولانا نے پڑھایا اور خود حضرت نے ہی ولیمہ بھی کیا۔

بیعت وسلوک وطریقت

آپ سب سے پہلے ۱۵ر شعبان ۱۴۱۳ھ مطابق ۸ر فروری ۱۹۹۳ء پیر کے روز حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری کے خلیفہ حضرت الحاج شاہ عبدالرشید صاحب رائے پوری سے بیعت ہوئے، اوران کی خدمت وصحبت سے فیض اٹھایا، ۷ر رمضان ۱۴۱۶ھ م ۲۷ر جنوری ۱۹۹۶ء میں ان کی وفات کے بعد مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن

علی حسنی ندوی نوراللہ مرقدہ سے ۲۴ر شوال ۲۰۱۶ء مطابق ۱۵ر مارچ ۱۹۹۶ء رجوع کیا اور بیعت ہوئے، اوران کی مجالس اور صحبت بابرکت سے فیضیاب ہوئے، ۲۲ر رمضان ۱۴۲۰ھ مطابق ۳۱ر دسمبر ۱۹۹۹ء بروز جمعہ حضرت مفکر اسلام کے وصال کے بعد ان کے جانشین مرشد الامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے تجدید بیعت کی، اب ان کی سرپرستی میں تعلیمی، سماجی، رفاہی، تبلیغی اور اصلاحی دعوتی سرگرمیاں جاری رکھ کر خدمت دین کا کام انجام دے رہے ہیں۔

اجازت وخلافت

مئی ۲۰۱۴ء میں آپ نے قطر کا سفر کیا، وہاں آپ کی ملاقات مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نوراللہ مرقدہ اور حضرت مولانا قمرالزماں صاحب الہ آبادی کے ایک خلیفہ ومجاز حضرت مولانا ظریف احمد صاحب ندوی سے ہوئی، حضرت مولانا ظریف احمد صاحب نے مفتی صاحب موصوف کو سلاسل اربعہ اور حضرت سید احمد شہیدؒ کے سلسلہ میں ۱۹ر رجب ۱۴۳۵ھ مطابق ۱۹ر مئی ۲۰۱۴ء پیر کے روز اجازت وخلافت عطا فرمائی اور جب حضرت مولانا ظریف احمد صاحب ندوی ۳ر ستمبر ۲۰۱۴ء کو مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفر آباد تشریف لائے تو مرکز کی جامع مسجد میں ایک مجمع کے سامنے موصوف کی اجازت وخلافت کا اعلان کیا، اس کے کچھ ہی دنوں کے بعد حضرت مولانا محمد ہاشم صاحب قاسمی خلیفہ حضرت شاہ حافظ عبدالستار صاحب نانکویؒ سے ملاقات کے لئے چھٹمل پور جانا ہوا تو حضرت نے بھی مولانا موصوف کو ۲۹ر ربیع الثانی ۱۴۳۶ھ مطابق ۱۹ر فروری ۲۰۱۵ء جمعرات کے روز اجازت وخلافت سے نوازا، اور راقم کو فرمایا کہ اس کا اظہار کردو اور رسالے میں بھی شائع کردو، اس طرح موصوف کا علمی وروحانی اور اصلاحی فیض بھی جاری وساری ہے، مولانا موصوف دنیا کے مختلف ممالک میں دو درجن سے زیادہ علماء کرام کو یہ

روحانی فیض منتقل کر چکے ہیں اور ان کو اجازت وخلافت دے چکے ہیں، اللہ تعالی سب کو دین کی خدمت کے لئے قبول فرمائے۔

تالیفات

عربی واردو اور انگریزی زبانوں میں مختلف موضوعات پر چھوٹی بڑی تقریباً ۴۷ر کتابیں چھپ چکی ہیں:

عربی

(۱) ریاض البیان فی تجوید القرآن (۲) مراجع الفقہ الحنفی ومیزاتہا
(۳) الإمامۃ فی الصلاۃ مسائلہا وأحکامہا (۴) التدخین بین الشرع والطب
(۵) سیرۃ النبی الاکرم (۶) القادیانیۃ ثورۃ علی النبوۃ المحمدیہ

اردو

(۷) مختصر تجوید القرآن
(۸) بچوں کی تمرین التجوید
(۹) جیب کی تجوید
(۱۰) رہنمائے سلوک وطریقت
(۱۱) فقہ حنفی کے مراجع اور ان کی خصوصیات
(۱۲) امامت کے مسائل واحکام
(۱۳) حیات عبدالرشیدؒ
(۱۴) سیرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلویؒ
(۱۵) تذکرہ مولانا سید محمد میاں دیوبندیؒ

(۱۶) تذکرہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ
(۱۷) تذکرہ علامہ سید سلیمان ندویؒ
(۱۸) تذکرہ شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ
(۱۹) چند مایہ ناز اسلاف (قدیم وجدید)
(۲۰) مقالات ومشاہدات (۲۸ر مضامین کا مجموعہ)
(۲۱) مکتوبات اکابر (بیس بزرگوں کے خطوط)
(۲۲) چندہ دینے، دلوانے اور لینے کے آداب واصول
(۲۳) افکار دل (۳۰ر خطبات کا مجموعہ)
(۲۴) مدارس اسلامیہ کا نظام- تحلیل وتجزیہ
(۲۵) تذکرہ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوریؒ
(۲۶) سیرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
(۲۷) تذکرہ حضرت حافظ عبدالرشید صاحب رائے پوریؒ
(۲۸) قادیانیت- نبوت محمدی کے خلاف بغاوت
(۲۹) میری والدہ مرحومہ
(۳۰) لڑکیوں کی اصلاح وتربیت
(۳۱) نقوش حیات حضرت مولانا عبدالرحیم متالاؒ
(۳۲) ملفوظات حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ
(۳۳) تصوف اور اکابر دیوبند
(۳۴) اللہ ورسول کی محبت
(۳۵) ماں باپ اور اولاد کے حقوق
(۳۶) عقائد اور ارکان اسلام

(۳۷) سازدل (۱۵ رتقریوں کا مجموعہ)

(۳۸) میرے شیخ ومرشد مفکر اسلام

(۳۹) دردِ دل (۴۵ رمضامین کا مجموعہ)

انگلش

(۴۰) Rules of Raising Funds

(۴۱) Beliefs and Pillars of Islam

(۴۲) The Laws Pertaining to Imamat

(۴۳) The Rights of Perents and children

(۴۴) Guidelines for Sulook and Tareeqat

(۴۵) Tasawwuf and tha Elders of Deoband

(۴۶) Life Sketch of Hadhrat Thanwi

(۴۷) A Biogrophy of the Noblest Nabi

اسفار

پہلی مرتبہ ۲۰۰۰ء میں پڑوسی ملک پاکستان کا سفر کیا اور وہاں بہت سے علماء، صلحاء اور ادباء سے ملاقات کی اور استفادہ کیا، پھر ۲۰۰۱ء میں جنوبی افریقہ کا سفر کیا اور وہاں مسلمانوں کے حالات اور ان کی دینی، اصلاحی، دعوتی سرگرمیاں دیکھیں اور اسلامی مکاتب ومدراس اور ان کے تجارتی مراکز کا معاینہ کیا اور بہت سے اسلامی دانشوروں اور علماء کرام سے ملاقات کی۔

اس کے بعد جنوبی افریقہ کے پڑوسی ممالک جیسے ''بوٹسوانہ'' کا نومبر ۲۰۰۱ء میں سفر کیا، پھر رمضان ۱۴۲۱ھ مطابق دسمبر ۲۰۰۱ء میں شوازی لینڈ کا سفر کیا، اس کے بعد زمبابوے بھی جانا ہوا، اور ۲۰۰۲ء میں کویت کا سفر کیا اور وہاں شیخ نادر عبدالعزیز نوریؒ (جنرل سکریٹری

جمعیۃ الشیخ عبداللہ النوری الخیریہ، ومدیر علاقات خارجیہ وزارۃ اوقاف کویت) اور شیخ عبداللہ العلی المطوعؒ (صدر جمعیۃ الاصلاح الاجتماعی، ومالک شرکۃ علی عبدالوہاب) اور فاضل استاذ شیخ یوسف جاسم الحجی (صدر انٹرنیشنل اسلامک چیریٹی آرگنائزیشن) سے ملاقات کی اور یہاں دس روز قیام رہا اور سرکاری مہمان رہے، اسی سال متحدہ عرب امارات دبئی کی بھی زیارت کی اور یہاں تین دن قیام کیا۔

ماہ رمضان ۱۴۲۴ھ مطابق ۲۰۰۳ء میں عمرہ کے لیے حجاز مقدس کا سفر کیا اور حرم مکی کے قریب ''مدرسہ صولتیہ'' میں قیام کیا، اس کے بعد مدینہ منورہ جاکر مسجد نبوی کی زیارت کی، اس میں نماز پڑھی اور ریاض الجنۃ اور روضۂ اطہر پر حاضری دی۔

۲۰۰۴ء میں ایک افریقی ملک ''ملاوی'' کی راجدھانی ''للونگوے'' کا سفر کیا، پھر ''زامبیا'' گئے اور وہاں ''چیپاٹا'' اور ''زامبیا'' کی راجدھانی ''لوساکا'' گئے، اور وہاں علماء اور صلحاء، دعاۃ سے ملاقات کی، جو وہاں سیاہ فام لوگوں اور نئی نسل کی اسلامی تعلیم وتربیت کی خدمت انجام دے رہے ہیں، وہاں کے اکثر لوگ جود وسخاوت اور اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کا اور دینی ودعوتی خدمت کرنے کا جذبہ رکھتے ہیں، ایک جم غفیر کی موجودگی میں راجدھانی کی مسجد ''النور'' میں بیان کیا، اور ان کے سامنے کتاب وسنت کی روشنی میں دعوت الی اللہ کے اصول وضوابط اور فضائل واحکام پیش کئے اور مسلموں اور غیر مسلموں میں ان کی دعوتی اور اصلاحی خدمات اور سرگرمیوں کو سراہا، تقریباً ایک ماہ یہاں قیام رہا، ماہ ذی الحجہ ۱۴۲۵ھ مطابق ۲۰۰۵ء میں اپنے والدین کے ساتھ مناسک حج بیت اللہ اور عمرہ کی ادائیگی کے لیے حجاز مقدس کا سفر کیا، اس کے بعد جنوبی افریقہ اور زامبیا متعدد مرتبہ جانا ہوا، کئی مرتبہ موزمبیق بھی جانا ہوا، اور ۲۰۱۱ء میں ملیشیا اور سنگاپور کا بھی سفر ہوا، مئی ۲۰۱۴ء میں آپ نے قطر کا سفر کیا، اور ایک ہفتہ وہاں قیام رہا، اس کے درمیان حج اور عمرہ کے اسفار بھی ہوئے۔

سابقہ مشغولیات

دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے فراغت کے بعد ۲۰۰۰ء میں ’’جامعہ بیت العلوم‘‘ پپلی مزرعہ، یمنانگر (ہریانہ) میں مدرس اور مفتی کی حیثیت سے تقرر ہوا، اس کے بعد جامعہ میں ناظم تعلیمات کے منصب پر فائز ہوئے، اور وہاں صرف ایک سال قیام فرما کر سبکدوشی حاصل کی۔

مرکز احیاء الفکر الاسلامی کا قیام

اس کے بعد حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ وصدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی سرپرستی میں ۲۰؍رجب ۱۴۲۱ھ مطابق ۱۹؍اکتوبر ۲۰۰۰ء کو قصبہ مظفر آباد ضلع سہارنپور (یوپی) میں ’’مرکز احیاء الفکر الاسلامی‘‘ کے نام سے ایک دینی، دعوتی اور علمی مرکز قائم کیا، جو نسل نو کی اسلامی تعلیم وتربیت کی خدمت انجام دے رہا ہے، اس کی بنیاد صحیح اسلامی فکر پر رکھی گئی ہے، اس کا مقصد علوم اسلامیہ کی اشاعت وحفاظت اور سیرت نبوی اور قرآن وحدیث کے مطابق نئی نسل کی تعلیم وتربیت کا انتظام کرنا ہے۔

مرکز کے شعبہ جات

مرکز کی زیر نگرانی حسب ذیل شعبے کام کر رہے ہیں:

(۱) جامعۃ الامام ابی الحسن الاسلامیہ (۲) جامعہ فاطمۃ الزہراء للبنات

(۳) ڈپلومہ ان انگلش لنگویج اینڈ لٹریچر (۴) اے ایس پبلک اسکول

(۵) مکتبہ الامام أبی الحسن العامۃ (۶) دار البحوث والنشر

(۷) دار الافتاء (۸) جمعیۃ اصلاح البیان

(۹) مجلس صحافت اسلامیہ (۱۰) شعبۂ تعمیر مساجد

(۱۱) شعبۂ دعوت وارشاد (۱۲) شعبۂ کمپیوٹر

(۱۳) مطبخ۔

موجودہ عہدے اور ذمہ داریاں

ناظم: مرکز احیاء الفکر الاسلامی

مہتمم: جامعۃ الامام ابی الحسن الاسلامیہ

شیخ الحدیث: جامعۃ فاطمۃ الزہراء للبنات

جنرل سکریٹری: دار البحوث والنشر

چیف ایڈیٹر: ماہنامہ ’’نقوش اسلام‘‘

والسلام

حمید اللہ قاسمی کبیر نگری

۲۶؍دسمبر ۲۰۱۶ء

پہلا باب

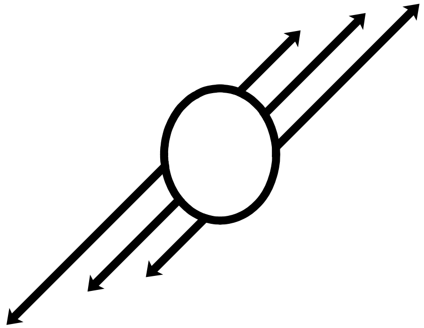

نقوش اسلام

20

نقوش اسلام فکر اسلامی کا نقیب

ذرائع ابلاغ اور میڈیا کی ضرورت واہمیت

یہ زمانہ ذرائع ابلاغ اور میڈیا کا ہے، آج کل اپنی فکر اور پیغام کو عوام تک پہونچانے کے لیے میڈیا ایک بہترین ذریعہ ہے، جس کی افادیت واہمیت مسلم ہے، بعض مرتبہ اس کے ذریعہ بڑے بڑے معرکے سر کئے گئے ہیں، جس قدر قلم کے اندر زور اور قوت ہوگی، پیرایہ بیان پرکشش اور جاذب قلب ونظر ہوگا، اسی قدر اس کے اندر بات کو قارئین کے دل ودماغ میں پیوست کرنے کی صلاحیت ہوگی، اس کے ساتھ کلام اور عبارت میں معنویت واہم آہنگی بھی ہو، معلومات اور مواد بھی، فکر اور پیغام بھی، دعوت اور ترغیب بھی، غرضیکہ کلام کو مؤثر اور طاقت ور بنانے کے لیے جن عناصر کی ضرورت پڑتی ہے، وہ اس میں بدرجہ اتم موجود ہوں تو سونے پر سہاگہ کا مصداق ہوگا، موجودہ دور میں پریس وطباعت کی سہولت اور وسائل کی فراوانی کی بنا پر مجلّات ورسائل حشرات الارض کی طرح نمودار ہو رہے ہیں، جن کے اپنے اغراض ومقاصد اور اپنا خاص انداز ہوتا ہے۔

مرکز مظفرآباد میں ایک فکری ماہنامے کے اجراء کا فیصلہ

مرکز احیاء الفکر الاسلامی جس کا قیام اسلامی فکر کی تجدید ودعوت اور اس کی تعلیم وتبلیغ کی ترویج واشاعت کے لیے چند سال قبل علماء مفکرین کی زیر سرپرستی عمل میں آیا تھا، جب اس نے اپنے تعلیمی وتعمیری وتصنیفی اور دعوتی پروگراموں میں پیش رفت کی، طلبہ وطالبات کی تعلیم کا ایک مرحلہ طے ہوا، تصنیف وتالیف کی طباعت کا سلسلہ شروع ہوا تو اس کے منصوبوں اور پروگراموں میں سے ایک ماہنامہ اردو مجلّے کے اجراء کا فیصلہ ہوا، جس کا نام

ماہنامہ ''مفکراسلام'' طے کیا گیا، تاکہ اس کے ذریعہ فکر اسلامی کی تجدید واشاعت بھی ہو جوفکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین اور اسلاف امت سے متوارث اور منقول ہو، اور جس کے ذریعہ حضرات محدثین کرام وفقہائے عظام، حضرت حسن بصری، امام غزالی، شیخ عبدالقادر جیلانی، مولانا رومی، علامہ ابن تیمیہ، علامہ ابن جوزی، حضرت شاہ ولی اللہ، حضرت سید احمد شہید، حضرت گنگوہی، حضرت نانوتوی، حضرت تھانوی، حضرت مونگیریؒ غرضیکہ تمام مفکرین اسلام کی فکر کو عام کیا جائے، دوسرے مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی طرف نسبت کرنا بھی مقصود تھا، اس لیے یہ نام ذومعنیین ہوگیا، اس نام کی منظوری کی سرکاری کوشش بھی شروع ہوگئی، اکابرین امت، علماء اسلام، دانشوران قوم، مدبران ملک وملت کو خطوط لکھے گئے، اوران کو اس رسالے کے اجراء کی اطلاع دی گئی اور اس میں ابتداءً شرکت کے لیے امت کے لیے پیغامات لکھنے کی درخواست بھی کی گئی، تمام بزرگوں نے ہماری قدر کی، حوصلہ افزائی کی، دعائیہ کلمات اور اپنے اپنے پیغامات اور اپنی اپنی آراء سے نوازا، بعض حضرات نے مفکر اسلام اور فکر اسلامی کی معنوی ہم آہنگی سے متعلق اپنا پیغام بھیجا، مگر ہوتا وہی جو منظور خدا ہوتا ہے، دوراندیش مرشد ومربی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی نے پیغام کے ساتھ اپنے ایک مکتوب میں تحریر کیا کہ ''رسالہ نکالنا اچھی بات ہے، البتہ نام شخص پرنہیں بلکہ عمل کے تعلق سے ہونا چاہئے'' یہ خط ملنے کے ایک روز بعد ہی معلوم ہوا کہ رسالے کا نام ''مفکر اسلام'' کی بجائے ''نقوش اسلام'' منظور ہوا، زبان خلق کو نقارۂ خدا سمجھو- اور کوئی اللہ کا مخلص بندہ کہے تو اس کا کیا کہنا۔

نقوش اسلام کے اہداف واغراض

''نقوش اسلام'' میں اسلام کی حقانیت اور اس کے افکار ونظریات، اس کی خصوصیات و

امتیازیات، اس کی عالمگیری وہمہ گیری، اس کی وسعت وآفاقیت پیش کی جائے گی، اور دنیائے انسانیت کو بتلایا جائے گا کہ اسلام ہی وہ واحد دین ہے جس کے اندر ہر زمانے میں اور ہر جگہ قیادت وسیادت کی صلاحیت ہے، اور کوشش کی جائے گی، کہ اس میں ایسے مضامین ومقالات شائع کیے جائیں، جو فکری اور دعوتی، اصلاحی اور ادبی ہوں، جن میں بلند خیالات وافکار کی ترجمانی اور اسلامی فکر ومنہج کی دعوت ہو، جو قلب کو گرمادے، روح کو تڑپادے اور قاری کو عملی زندگی پر اکسادے۔

پہلے شمارے کی خصوصیات وامتیازات

اس شمارے میں اگر ایک طرف قارئین اکابر علماء کے پیغامات وآراء اور ان کے افکار ونظریات اور حوصلہ افزائی کے کلمات سے محظوظ ہونگے، تو دوسری طرف وہ یہ محسوس کریں گے کہ اس وقت عالم اسلام کے مسلمانوں کو باہمی اتفاق واتحاد کی کس قدر ضرورت ہے، سیرت وکردار کے ذریعہ مثالی انسان کی تعمیر کیسے ہوسکتی ہے، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے اپنی شخصیت کو کیسے بنایا، مفکر اسلام کے افکار ووصایا اور پیغام ملک وملت کے نوجوانوں کے نام کیا ہیں، وحدت انسانی کن چیزوں پر مشتمل ہے، شریعت اسلامیہ میں انسانی حقوق کیا کیا ہیں، اس کا جامع تصور کیا ہے، تحقیق ونظر میں فقہ حنفی کے مراجع اور انکی خصوصیات کیا ہیں اور یہ کہ فقہ حنفی کی بنیاد کتاب وسنت، اجماع امت اور قیاس جلی پر ہے، اور اس سلسلہ کی اہم کتابیں کیا کیا ہیں، اس کے بعد آج کے اس تجدد پسند دور میں اسلام میں پردہ کی کیا اہمیت ہے، یہ ایک مستقل مضمون ہے، اصلاح معاشرہ میں امت مسلمہ کے لیے ایک لمحہ فکر یہ ایک فکری تحریر ہے، تحریکات کے سلسلہ میں دارالعلوم دیوبند پر ایک چشم کشا تحریر، علم کے حصول کے لیے ایک درس ادب، اور تعلیم قرآنی کی روشنی میں آج کے پرآشوب دور میں مسابقہ اور کمپیٹیشن کا میدان کیا ہے؟ اور پھر آخر میں

ایک اصلاحی مضمون استغفار کی فضیلت اور عالمی خبریں جیسے مضامین زینت رسالہ ہیں، اللہ تعالی اس رسالے کو قبول فرمائے، اس کے نفع کو عام اور فیض کو پورے عالم میں جاری وساری فرمائے۔

قارئین سے خصوصی درخواست

ہم اپنے قارئین سے رسالہ کے سلسلہ میں ان کی آراء ومشوروں کے منتظر رہیں گے، ان آراء کو انشاء اللہ شائع بھی کیا جائے گا، اس لیے اس پر انصاف کے ساتھ نقد وتبصرہ کرکے ارسال فرمائیں، اور اپنے قیمتی فکری، ادبی، اصلاحی اور دعوتی مضامین ہمیں بھیجیں: ع

یارب دل مسلم کو وہ زندہ تمنا دے
جو قلب کو گرما دے جو روح کو تڑپا دے

نقوش اسلام کی عمر کا ایک سال مکمل

بارگاہ الٰہ میں شکر وسپاس

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان، نہایت رحم والا ہے اور ساری تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے ''مرکز احیاء الفکر الاسلامی'' کے ترجمان ''نقوش اسلام'' کو مقبولیت عطا کی، نقوش اسلام پابندی سے شائع ہوکر اس شمارے کے ساتھ اپنی عمر کا پہلا سال پورا کررہا ہے، جس پر ہم اراکین مرکز بارگاہ خداوندی میں سجدہ ریز اور سراپا شکر گزار ہیں کہ رب ذوالجلال نے اس رسالے کے ذریعہ دین کی، دعوت کی اور اسلام کی ترجمانی کی توفیق عطا فرمائی اور میدان صحافت میں اس کو اس قابل بنایا کہ اہل نظر اس کو وقعت کی نگاہ سے دیکھنے لگے اور اس کا حلقۂ احباب بڑھا، قارئین نے اچھے تأثرات پیش کئے، اہل علم حضرات نے حوصلہ افزا کلمات سے نوازا، مخلصین نے پر بہار امیدیں قائم کیں، قلم کار دوستوں نے قلمی تعاون پیش کیا، مفکرین نے اپنے بیش قیمت افکار پیش فرمائے، بزرگوں نے قدردانی کی سوغات اور اپنی مستجاب دعاؤں کا تحفہ پیش فرمایا، بعض احباب نے قارئین کا حلقہ وسیع کیا، بعض اہل ثروت محبین نے رسالے کے لیے مادی تعاون پیش کیا، غرضیکہ کریم آقا نے وہ تمام اسباب مہیا فرمائے جن سے کوئی ادارہ، کوئی تحریک، کوئی دعوت، کوئی رسالہ عوام میں قبولیت ومحبوبیت اور دوام حاصل کرسکتا ہے۔

نقوش اسلام کی سالانہ نشریات کا خلاصہ

اللہ تعالی کے فضل واحسان سے ''نقوش اسلام'' کے ارکان کی طرف سے ہر ممکن کوشش

کی گئی کہ اس میں ایسی تحریریں شائع ہوں جن سے افکار میں بلندی، عزائم میں پختگی، اذہان میں بالیدگی اور زندگی میں اصلاح وانقلاب، قلوب میں گرمی وحرارت، روحوں میں سکون وطمانیت اور دنیا میں کچھ کرگزرنے کا جذبہ وولولہ اور شوق پیدا ہو، اسی لیے اس میں دعوتی، تحقیقی، فکری، ادبی، ثقافتی، اصلاحی وسنجیدہ مضامین شائع کئے گئے، اس ایک سالہ مدت کے دوران جو کچھ افکار بھی رسالہ کا حصہ بنے ان میں کہنہ مشق اساتذہ علم وفن کے مضامین بھی تھے اور پختہ کار ادباء مفکرین کی کاوشیں بھی اور نوخیز ونوآموز قلم کاروں کی خامہ فرسائیاں بھی، اسی طرح افادۂ عام کی غرض سے بعض تحریریں قسط وار بھی شائع ہوئیں جن کی قارئین نے پذیرائی کی: مثلاً اندلس کے بیالیس تاریخ داں، اسلامی دنیا کی رصدگاہیں، اسلام میں پردہ کی اہمیت، وصایا مفکر اسلام، تصوف اور حضرت شاہ ولی اللہ اور بعض مستقل کالم بھی جیسے تحریکات، اصلاحیات، پیغامات وتاثرات، اقبالیات، عبادات، اخلاقیات، فلکیات، شخصیات، مراسلات، افکار، حقائق، تذکیر، محاسبے، تجزیے، جائزے، موازنے، تبصرے، دعوت فکروعمل، سیرت وکردار، توحیدواتحاد، تحقیق ونظر، گوشۂ خواتین، اصلاح معاشرہ، دروس ادب، شعروادب، سلوک واحسان، آئین ہند، تبلیغ دین، احسان قرآن، راہ سنت، لائحہ عمل، آثار قدیمہ، پیغام عمل، ذرائع ابلاغ، دعوت ین، اتباع سنت، آثار قیامت، صورت حال، فضائل ومسائل، محاسن اسلام، مثالی استغناء، صدائے دل، تاریخ اسپین، تعلیم نسواں، تعلیمات قرآنی حالات حاضرہ، مکتوبات اکابر، عظمت قرآن، بولتی تحریریں، عالمی خبریں۔

سالانہ اداریئے

اور ایسے ہی اگر اب تک کے اداریوں کا جائزہ لیا جائے، تو وہ اس طرح ہیں: نقوش اسلام فکر اسلامی کا نقیب، ربیع الاول میں طلوع ہونے والا آفتاب، مسلمانوں کی عظمت

رفتہ بحال ہوسکتی ہے، خوداحتسابی کے عمل سے گزرنا ضروری ہے، اہانت رسول کی سزا، ڈنمارک کے اخبار کے ایڈیٹر کی عبرت ناک ہلاکت، دنیا کا ہر بہیمانہ عمل مسلمانوں کی طرف منسوب، چندہ دینے، دلوانے اور لینے والوں کی خدمت میں، پڑھے لکھوں کی بعض غلط فہمیاں اوران کا ازالہ، حج پر جانے والوں کی خدمت میں، مدرسہ بورڈ امیدیں، اندیشے اور مشورے۔

قارئین کی خدمت میں ایک گزاش

اب تک کی کاوشوں کا خلاصہ قارئین کی نذر کرنے کے بعد ہم ان سے امید کرتے ہیں کہ وہ اس دعوتی تحریک میں برابر حصہ لیتے رہیں، اس کا سب سے بہتر اور مؤثر طریقہ یہ ہے کہ اپنے دوستوں کو بطور ہدیہ رسالہ پیش کریں، اہل ثروت طلبہ اپنے دوستوں کے نام مخلصانہ ہدیہ اور اساتذہ کے نام بطور محبت ماہنامہ جاری کرائیں اور عام قارئین اپنے اہل تعلق کو اس کی طرف متوجہ کریں، قلم کار حضرات اس میں اپنا علمی اور قلمی تعاون پیش فرمائیں، بلندافکار کے حامل دعوتی، ادبی اور اصلاحی مضامین جو پرمغز اور پرازمعلومات ہوں ارسال فرمائیں، اہل ذوق واہل نظر اپنے مشورے اور تبصرے اور نقدتحریر کرکے بھیجیں اور رسالہ کو ہمہ رنگ اور ہر ذوق کے مطابق ڈھالنے اور اس کو بہتر سے بہتر بنانے اور اس دعوتی مشن کو آگے بڑھانے کے لیے ہمارا تعاون فرمائیں، ہم آپ کی گرانقدر آراء اور مشوروں کا شدت سے انتظار کریں گے اور انشاء اللہ ان تبصروں ونقدوں کو شائع بھی کیا جائے گا، چونکہ ہم آپ کے پرخلوص مشوروں اور نقدوتبصروں کو اپنی کامیابی اور رسالہ کی تعمیر وترقی کی ضمانت سمجھتے ہیں۔

تمام معاونین کا شکریہ

اخیر میں ہم اپنے تمام معاونین کا شکر ادا کرتے ہیں جنھوں نے ہمارے ادارے کا

اور ہمارے اس رسالے کا کسی بھی طرح کا تعاون کیا ہو خواہ وہ مادی تعاون ہو یا روحانی ، علمی تعاون ہو یا ادبی ،اور اللہ تعالی سے دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالی ہمارے تمام مخلصین ، معاونین ،سرپرستوں ،مشیروں اور قلمی دوستوں کو دونوں جہاں کی سرخروئی وکامیابی نصیب فرمائے اوران کے خلوص ومحبت اور تعاون کو قبول فرمائے ،اورہمیں زیادہ سے زیادہ دین کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے اور'' نقوش اسلام'' کو قیامت تک کے لیے قبولیت ، استقامت اور مداومت نصیب فرما کر گم گشتہ راہ امت کی ہدایت کا ذریعہ بنائے ،اسلام کے محاسن وحقائق ،اسکی دعوت ،اس کے پیغام ومشن اور صحیح اسلامی فکر کی اشاعت کی توفیق عطا فرمائے ،آمین ،ثم آمین ۔

نقوش اسلام کے دو سال مکمل

نقوش اسلام کے ساتھ اللہ تعالی کا خصوصی معاملہ

اللہ تعالی کا بڑا احسان وفضل ہے کہ ماہنامہ نقوش اسلام اس شمارے کے ساتھ اپنا دوسرا سال مکمل کر رہا ہے، ہم اس پر رب کائنات کی بارگاہ میں سجدۂ شکر بجالاتے ہیں کہ محض اسی کے لطف وکرم سے رسالہ اپنی عمر کی دوسری منزل کی تکمیل کر رہا ہے، ان دو سالوں کے اندر اس کو اچھی خاصی مقبولیت حاصل ہوئی، قارئین کا حلقہ وسیع ہوا، محسنین ومخلصین نے اس کو پسند کیا، اس کے مضامین کی پذیرائی کی اوراس کو دور دور تک پہنچانے کی کوشش کی ، باخبر حضرات جانتے ہیں کہ اس زمانے میں (اگر چہ رسائل کی کثرت ہے) کسی رسالہ کا پابندی کے ساتھ نکالنا ایک اہم کام ہے، اس کی ایک اہم وجہ قارئین کی طرف سے خریداری کے سلسلہ میں غفلت ہے، ایسا نہیں کہ ان کے پاس پیسے نہیں ہیں؛ بلکہ اردو پڑھنے والوں کا عام مزاج مفت اور مانگ کر پڑھنے کا ہے، اسی لیے اگر کہیں کوئی اخبار یا رسالہ آتا ہے تو کئی لوگ اس کے گرد وپیش کا سرسری نظر سے مطالعہ کر کے یا کنگھال کر چھوڑ دیتے ہیں، ایسے حالات میں کوئی رسالہ لوگوں کے سامنے پیش کرنا جوئے شیر لانے کے مرادف ہے، اور یہ معاملہ تقریباً تمام ہی دینی رسائل کے ساتھ ہے؛ لیکن نقوش اسلام کے ساتھ خدا تعالی کا یہ فضل خاص رہا ہے کہ ایسی حالت کے باوجود پابندی کے ساتھ شائع ہو رہا ہے، ہم اس پر خالق کون ومکاں کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتے ہیں۔

نقوش اسلام کے معاونین کا شکریہ اوران سے درخواست

نقوش اسلام کے اس تسلسل میں جن لوگوں نے ہماری قلمی مدد کی ، یا جنھوں نے مادی

تعاون کیا، یاجنھوں نے روحانی معاونت کی، یاجس نے جس طرح کی بھی ہمدردی ومحبت کا معاملہ کیا، ان سب کا ہم تہہ دل سے شکرگزار ہیں اور رب ذوالجلال سے ان کی دونوں جہاں کی سرخروئی وکامیابی کے لیے دست بدعا ہیں، اللہ تعالی عافیت وبھلائی کا معاملہ فرمائے، مزید اپنے معاونین مخلصین حضرات سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ ہمارا مستقبل میں بھی ہرلحاظ سے تعاون فرماکر ہاتھ بٹائیں اور دین کی اشاعت کے اس منصوبے کو زیادہ سے زیادہ مضبوط اور پائیدار بنانے میں ہمت سے کام لیں، بس اللہ تعالی ہی ہر چیز پر قادر ہے اور وہی دوام بخشنے والا ہے۔

شذرات

بعض مرتبہ انسان دوسرے کے جذبات، دوسرے کی فکر، دوسرے کی بات کو کیسے گردانتا ہے اور کیسے رائے قائم کرکے کتنا جلدی فیصلہ سنادیتا ہے، اس کا اندازہ اس طرح کے بلاتبصرہ چند مندرجہ ذیل واقعات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

پیسہ پھینکو تماشہ دیکھو

ماہنامہ نقوش اسلام کے رجسٹریشن کی کارروائی ہورہی تھی، مگر ہمارے ملک میں کیا اب توساری ہی دنیا میں پیسے کا کھیل ہے، پیسہ پھینکو تماشہ دیکھو، اس وقت کی دفتری دنیا میں اگر آپ قانون اوراصول وضابطے کے مطابق چلتے رہیں گے تو پیچھے ہوتے جائیں گے، آپ کی فائل ہی نہیں ملے گی اور دنیا کہیں کی کہیں پہنچ جائے گی، راقم اس سلسلہ میں کوشاں تھا کہ کوئی صحیح آدمی مل جائے جس کے توسط سے یہ کام جلد از جلد اور آسانی سے ہوجائے، بعض صحافی دوستوں سے رابطہ بھی کیا، دہلی میں ایک مؤقر اور معلوماتی ماہنامے کے مالک اور ایڈیٹر سے فون پر گفتگو ہوئی اور ان سے نقوش اسلام کے سلسلہ میں بات کی گئی،

انہوں نے بات سننے کے بعد ایک خاص انداز ولب لہجہ میں بڑے ہمدردانہ یامرعوبانہ انداز میں یا احساس کمتری کا شکار ہونے کی وجہ سے تقریر دلپذیر شروع کی کہ آپ لوگ ''اسلام'' جیسے نام رکھتے ہیں!

یہ تو آج کل لوگوں نے بزنس بنا رکھا ہے

راقم نے جب رجب ۱۴۲۱ھ مطابق ۱۹/اکتوبر ۲۰۰۰ء میں ایک دینی، دعوتی اور تعلیمی ادارہ مرکز احیاء الفکر الاسلامی کے قیام کا ارادہ کیا تو اکابرین کو فون کئے، سبھوں نے دعائیں دیں اور خوشی کا اظہار کیا، اسی طرح ایک بڑے ادارہ کے بڑے وسیع الظرف سمجھے جانے والے مولانا کو فون پر ادارہ کے قیام کی خوشخبری دی اور دعاؤں کی درخواست کی، جس پر انہوں نے برجستہ ارشاد فرمایا کہ ''یہ تو آج کل لوگوں نے بزنس بنا رکھا ہے'' وغیرہ وغیرہ۔

لمبی لمبی لاحول پڑھی

ایک ادارے کے ذمہ دار نے مسجد تعمیر کرائی، اس کے افتتاح کے لیے بڑے ادارے کے ایک اعلی ذمہ دار کو دعوت دی، بعض مصالح کی بنا پر مسجد کے فوٹو لیے گئے جس پر وہ صاحب بڑے برانگیختہ ہوئے اور لمبی لمبی لاحول پڑھی اور مصلحت کے باوجود اس عمل کو ناجائز گردانا اور اسلاف کے طریقے کے خلاف بتلایا، اور جوش میں یہ بھی فرمایا کہ آئندہ یہاں نہیں آؤں گا، اور اسی وجہ سے میں فلاں فلاں (بڑے، بڑے) اداروں میں بھی شرکت نہیں کرتا۔

آپ کو عربی نہیں آئے گی

ایک استاذ نے بعض حضرات سے ''صور من حیاۃ الصحابہ'' کی اس عبارت کے بارے میں پوچھا کہ ''یالحسنہما ویالتمامہما'' میں لام کیسا ہے؟ اور پھر اس پر زبر آئے گا یا زیر، مگر کوئی

ان کو بتانہ سکا، جن سے امید تھی کہ وہ بالیقین بتلادیں گے، ان کوفون کیا، اتفاق سے وہ تو فون پر ملے نہیں، ان کے اقرب ترین عزیز مل گئے جو ایک بڑی یونیورسٹی کے فارغ اورایک عربی رسالہ کے ایڈیٹر تھے، جب ان سے پوچھا گیا کہ یہ نحوی اعتبار سے کیا واقع ہے، توانہوں نے بتلانے کے بجائے ارشادفرمایا کہ ''اس چکر میں نہ پڑو، ورنہ آپ کوعربی نہیں آئے گی''۔

حضرت گھنٹہ تو کوئی خالی نہیں ہے

عربی کی ایک جماعت کے ایک ہونہار طالب علم سے اس کے استاذ نے فرمایا کہ کوئی گھنٹہ خالی ہوگا اس میں سبق پڑھ لینا، اس نے بڑی سادگی میں کہہ دیا کہ حضرت گھنٹہ تو کوئی خالی نہیں، اس پر استاذ صاحب نے برجستہ یہ شعر پڑھا ؎

تکبر عزازیل راخوار کرد
بزندان لعنت گرفتار کرد

نقوش اسلام کے تین سال مکمل

تمام احباب اور مضمون نگاروں کا شکریہ!

رب ذوالجلال کے فضل وکرم سے اس شمارے کے ساتھ ''نقوش اسلام'' اپنی زندگی کی تیسری منزل پوری کررہا ہے، اس پر ہم اراکین ادارہ اللہ تعالی کی بارگاہ میں سجدۂ شکر بجالاتے ہیں کہ اس نے اس حقیر کوشش کو استقامت، مداومت اور مقبولیت عطا کی، جس کی بنا پر یہ ہرماہ پابندی سے قارئین کی خدمت میں پہنچ رہا ہے اور قارئین کی طرف سے اس کو پذیرائی حاصل ہورہی ہے، اس کا حلقہ بھی وسیع ہوتا جارہا ہے، اوراس سے فائدہ اٹھایا جارہا ہے، ہم اس امید کے ساتھ- کہ اس کو برابر علمی ودعوتی حلقوں، نیز مدارس اسلامیہ اوردین کے بہی خواہوں اور اردو زبان وادب سے دلچسپی رکھنے والوں اور ائمہ مساجد میں بھرپور مقبولیت حاصل ہوگی- اپنے تمام محبین قارئین، ناظرین، معاونین، قلمی دوستوں اور مضمون نگاروں کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور درخواست کرتے ہیں کہ ان کا تعاون ہمیں مستقبل میں بھی اسی طرح ملتا رہے گا۔

مختلف مضامین کی کتابوں کی شکل میں اشاعت

نقوش اسلام نے اپنی تین سالہ مدت میں جومضامین قسطوار شائع کئے ان کو مستقل کتابی شکل میں بھی مرکز احیاء الفکرالاسلامی کے شعبہ ''دارالجوث والنشر'' سے شائع کیا گیا، راقم کے وہ مضامین اورادارئے جو اس رسالہ میں شائع ہوئے سب سے پہلے وہ ''مقالات ومشاہدات'' کے نام سے منصۂ شہود پر آئے، پھر بزرگوں کے خطوط کا ایک

سلسلہ وار مضمون جو بیس قسطوں میں چھپا، جس میں بیس بزرگوں کے خطوط ہیں ''مکتوبات اکابر'' کے نام سے منظر عام پر آیا، اسی طرح ایک مضمون جو ''فقہ حنفی کے مراجع'' کے موضوع پر دو قسطوں میں شائع ہوا، بعض احباب کی خواہش پر وہ مستقل کتابی شکل میں ''فقہ حنفی کے مراجع اور ان کی خصوصیات'' کے نام سے طبع ہوا، یتیموں کے سلسلہ میں ایک مضمون جو کئی قسطوں میں شائع ہوا، وہ کتابی شکل میں ''یتیموں کی کفالت قرآن وحدیث کی روشنی میں'' کے نام سے چھپ کر مقبول ہوا، نیز ستمبر اکتوبر کا خصوصی شمارہ ''سفر حج کی مشکلات اور ان کا ممکن حل'' کے عنوان سے کئی زبانوں مثلاً اردو، بنگالی اور گجراتی میں چھپا اور تقریباً چھ ہزار حجاج کرام کو مفت بھیجا گیا جس کو اہل علم، حجاج کرام اور قدر دانوں نے پسند کیا۔

رسالہ کے کچھ مخصوص کالم

اس کے علاوہ بعض مستقل کالم جو شائع ہوتے رہتے ہیں، جیسے ''وصایا مفکر اسلام'' (۱) ان کو بھی الگ سے کتابی شکل میں شائع کرنے کا پروگرام ہے، نیز ہماری مجلس ادارت کے بزرگ رکن اور مستقل کالم نگار حضرت مولانا محمد عمر صاحب مجاہد پوری مدظلہ جن کے اصلاحی مضامین بلا ناغہ تسلسل سے اس رسالے میں چھپ رہے ہیں، ان کے مضامین کا بھی ایک اچھا خاصہ ذخیرہ جمع ہو گیا ہے، ان کو بھی الگ سے کتابی شکل میں شائع کیا جائے گا، علاوہ ازیں ایک عربی کی کتاب ''الامامۃ فی الصلاۃ مسائلہا واحکامہا'' کا مستقل اردو ترجمہ شائع ہو رہا ہے، اس شمارے میں اس کی آٹھویں قسط شامل ہے، اس کو بھی الگ سے ''امامت کے مسائل اور احکام'' (۲) کے نام سے طبع کیا جائے گا، بعض مضامین کسی خاص کتاب سے

(۱) وصایا مفکر اسلام راقم کی کتاب ''میرے شیخ ومرشد مفکر اسلام'' میں مستقل ایک باب کی شکل میں شائع ہو گئے ہیں۔

(۲) یہ کتاب بھی شائع ہو چکی ہے، اس کا انگریزی میں بھی ترجمہ The Laws Pertaining to Imamat کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

کتاب اور مواد کی اہمیت کے پیش نظر اخذ کر کے قسط وار شائع کئے گئے، جیسا کہ ''اسلام میں پردہ کی اہمیت'' نامی کتاب مستقل نو قسطوں میں شائع ہوئی، اسی طرح ''روشن مستقبل کا جوان'' کئی قسطوں میں شائع ہوا، حضرت مولانا برہان الدین سنبھلی استاذ حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کا ایک رسالہ ''عورتوں کے لیے اسلام کے تحفے'' کئی قسطوں میں شائع ہوا، اسی طرح آئین ہند کے عنوان سے دستور ہند کی دفعات، گورنر کے اختیارات، گورنر کا حلف واقرار، ہندوستان کی عدلیہ، جج کا انتخاب، پارلیمنٹ اور اس کے ارکان مسلسل سات قسطوں میں شائع ہوئے، اس کے علاوہ بعض وہ مضامین بھی اس رسالہ کی زینت بنے جو دوسرے معاصر رسائل سے اخذ کر کے شامل کئے گئے، اور جس رسالے سے جو مضمون لیا گیا اس کا شکریہ کے ساتھ حوالہ دیا گیا، مزید براں نقوش اسلام میں جن کتابوں پر تبصرے شائع ہوئے ہیں ان کو بھی مستقل کتابی شکل میں شائع کرنے کا پروگرام ہے۔

رسالہ ترقی کی راہ پر گامزن

اس طرح نقوش اسلام بفضل الٰہی ترقی کی طرف گامزن ہے، اس کے پڑھنے والوں اور قدر دانوں میں بھی اضافہ ہو رہا ہے، نیز سرکولیشن بھی دن بدن بڑھتا جا رہا ہے، اس پر ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں اور اپنے معاونین، مخلصین اور قارئین کا بھی تہہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں کہ جن کے تعاون کے بغیر کوئی بھی تحریک یا رسالہ پروان نہیں چڑھ سکتا، انسان اپنے تئیں کتنی بھی کوشش کیوں نہ کر لے مگر جب تک مخلص افراد وارکان کا ساتھ نہ ہو تو ذرا مشکل ہوتا ہے منزل تک رسائی کرنا، اس لیے کہ

میں اکیلا ہی چلا تھا جانب منزل مگر
راہ رو آتے گئے اور کارواں بنتا گیا

اس لیے رسالہ کی تیسری سال گرہ پر بہت سے دوستوں نے مبارک باد پیش کی، بعض احباب کی تحریریں موصول ہوئیں، بعض دوستوں نے کہا کہ نقوش اسلام ہمیں باقاعدگی سے ہر ماہ مل رہا ہے، بعض نے کہا کہ آپ کی علمی کاوشوں کا یہ مجلّہ آئینہ دار ہے، بعض نے کہا کہ آپ کے رسالہ میں ہر ماہ نئے نئے مضامین پڑھنے سے دل کی کلیاں چٹکتی ہیں، قارئین کے یہ جذبات اوران کی دعائیں یقیناً رسالہ کی ترقی اوراس کی مقبولیت کی ضامن ہیں، اللہ تعالی ان کے جذبات اور دعاؤں کو ہمارے اور مجلّے کے حق میں قبول فرمائے۔

تمام معاونین کا شکریہ

اب اخیر میں ان تمام حضرات کا شکریہ ادا کرتے ہیں جو کسی بھی طرح سے ہمارے رسالہ کی ترقی میں لگے ہوئے ہیں، چاہے وہ قلمی معاونین ہوں یا مادی معاونین، اللہ تعالی ان کی جائز تمناؤں کو پورا کرے اور دن دونی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے، نیز رسالے اور ادارے کا فیض پورے عالم میں پہنچائے، استقامت، مداومت، ترقی اور مقبولیت عطا فرمائے، بس اللہ تعالی ہی ہر چیز پر قادر ہے "ان اللہ علی کل شئی قدیر، وھو نعم المولی ونعم النصیر"۔

نقوش اسلام اپنی عمر کے پانچویں سال میں

اللہ تعالی نافع کو باقی رکھتا ہے

رب کائنات کا لاکھ لاکھ شکرواحسان ہے کہ اس نے نقوش اسلام کو اپنی عمر کی چار منزلیں پوری کر کے پانچویں منزل میں قدم رکھنے کی توفیق عطا فرمائی، خالق ارض وسماء جس کی ذات حی قیوم ہے، وہ ہمیشہ سے ہے ہمیشہ رہے گا، وہ جس کو دوام بخشنا چاہے، جس کو باقی رکھنا چاہے یہ اس کی کرشمہ سازی ہے، ورنہ تو اس کا اصول ہے کہ جس چیز میں نافعیت اور انفعیت اورافادیت نہیں اسکو وہ زیادہ دن تک باقی نہیں رکھتا، مگر جس چیز میں نفع پہنچانے کی صلاحیت ہے، اس کو جب تک چاہے باقی رکھتا ہے اوراس کی بقاء کے اسباب بھی مہیا کرتا ہے۔

آج کل کسی اردو رسالہ کا پابندی سے نکلنا فضل الٰہی ہے

آج کل کی ہوش ربا گرانی میں کسی رسالے کا وہ بھی دینی رسالے کا باقی رہنا اور تسلسل کے ساتھ شائع ہونا محض فضل الٰہی اور رحمت خداوندی ہی ہوسکتا ہے، اس لیے کہ بہت سے رسائل کے ذمہ داران کو شکوے شکایت ہی کرتے دیکھا گیا ہے، اوران کا شکایت کرنا بھی بے وجہ اور بے سود نہیں کیونکہ حالات کچھ اس طرح کے ہیں کہ لوگوں کے پاس دنیا بھر کی خرافات کے لیے، رسم ورواج کے لیے، شادی بیاہ میں فضول خرچی کے لیے اور بہت سی بے راہ روی کے لئے تو پیسے ہیں، بلکہ ایک خاص بجٹ ہے۔

دینی رسائل کیلئے بجٹ نہیں

لیکن دینی رسالے کے خریدنے اور لینے کے لیے ان کے پاس کوئی بجٹ نہیں، کسی

دکان پر یا کہیں کوئی اخبار مل جائے تو پھری میں اس کی ورق گردانی کر لیتے ہیں اور بس، یا اگر پوسٹ مین نے کسی کی ڈاک یا کسی کا رسالہ کسی کو دیدیا کہ لو بھائی فلاں صاحب کو پہنچا دینا، تو بغیر اجازت کے اس کی ڈاک اور اس کے رسالے کو پڑھ لیتے ہیں، یہاں تک بھی کچھ ٹھیک ہے، مگر کرتے یہ ہیں کہ پھر اصل تک جس کا وہ ہے اس تک نہیں پہنچاتے، بعض مرتبہ تو اپنی غفلت کی وجہ سے بعض مرتبہ یاد نہ رہنے کی وجہ سے اور جب زیادہ دن ہو جاتے ہیں تو اس کے لحاظ اور ڈانٹ کی وجہ سے پھر اس کو خود ہی رکھ لیتے ہیں، اس لیے بھی بعض لوگ پھر خریدار بننا پسند نہیں کرتے، چونکہ ان کی ڈاک یا رسالہ اچک لیا جاتا ہے، ان تک نہیں پہنچتا، اس لیے جو خریدار بنتے ہیں اور جن کو براہ راست کوئی رسالہ مل جاتا ہے، وہ بھی خوش نصیب ہیں۔

نقوش اسلام اپنی الگ شناخت بنا چکا ہے

اس طرح ایسے حالات میں اگر کوئی دینی رسالہ پابندی سے نکل رہا ہے، تو اس رسالے کی بھی بلند اقبالی اور اس کے اراکین کی بھی خوش نصیبی ہے، اس لیے نقوش اسلام کے اراکین سب سے پہلے تو بارگاہ رب العزت میں سجدہ شکرہ بجالاتے ہیں کہ محض اللہ سبحانہ تعالی کا فضل اور کرم ہے کہ نقوش اسلام پہلے ہی دن سے پوری پابندی کے ساتھ منظر عام پر آرہا ہے، اور قارئین کی خدمت میں دینی، دعوتی، ادبی، اصلاحی، فکری، تعمیری اور معلوماتی مضامین پیش کر رہا ہے، جس سے قارئین اس کو دلچسپی سے پڑھتے ہیں، اور ہندو پاک کے بعض مدیران اس کے مضامین کو اپنے مؤقر رسائل میں جگہ دیتے ہیں اور بعض انگریزی جرائد میں بھی اس کے مضامین ترجمہ ہو کر شائع ہوتے ہیں، بعض احباب کا کہنا ہے کہ ماہنامہ نقوش اسلام اپنے بہت سے معاصر اور سینئر رسالوں میں اپنی الگ ساخت اور شناخت قائم کر چکا ہے۔

قارئین کی دلچسپی رسالہ کی کامیابی ضمانت ہے

بات دراصل یہ ہے کہ اس رسالہ کے متعلق ہم اپنے تئیں کتنی بھی کوشش کر لیں، اور اس کی نشر واشاعت میں کتنی ہی دل وجان سے محنت کر لیں، اور کتنا ہی اس پر اپنا اثاثہ خرچ کر لیں، اگر اس میں اللہ کے فضل کے ساتھ قارئین کو دلچسپی نہیں تو ہماری ساری کی ساری کوششیں بیکار ثابت ہوں گی؛ لیکن اگر قارئین اس کو دلچسپی سے پڑھتے ہیں اور اس کے سلسلہ میں اچھی رائے رکھتے ہیں اور اپنے قیمتی تأثرات سے حوصلہ افزائی کرتے ہیں تو پھر ہم سمجھتے ہیں کہ یہ ایک اچھی کوشش ہے اور یہ بات طے شدہ ہے کہ کسی بھی ادارہ یا دینی جریدے کا نکلنا یا چلنا اسی وقت ممکن ہو سکتا ہے کہ جب اس کے ساتھ معاونین کا خلوص اور ان کی جانی و مالی قربانی شامل ہو، اس لیے تمام قارئین سے مخلصانہ گزارش ہے کہ جس طرح گذشتہ چار سالوں سے اس کی ترقی اور کامیابی میں ہمارا ہر طرح کا ساتھ دیا ہے، اسی طرح مستقبل میں بھی ہمارا ساتھ دیں تا کہ اس رسالے کو دوام اور مقبولیت حاصل ہو، اور اس کا فائدہ قارئین کو برابر پہنچتا رہے۔

رسالہ کی مقبولیت پر اللہ کا شکر

اس پر ہم اللہ تعالی کا شکر ادا کرنے کے ساتھ اپنے تمام معاونین کا بھی شکر ادا کرتے ہیں، جو اس رسالہ کی ترقی، مقبولیت، مداومت اور استقامت سے خوش ہوتے ہیں، اور اس کا مادی تعاون بھی کرتے ہیں، روحانی تعاون بھی، قلمی تعاون بھی کرتے ہیں، اور ممبر سازی کا تعاون بھی، غرضیکہ جو جس لائن اور جس لحاظ سے مدد کرتا ہے ایسے تمام احباب کے ہم مشکور ہیں، اللہ تعالی سب کو جزائے خیر عطا فرمائے اور اس رسالہ کو اور اس کے اراکین کو عمر نوح بصحت وسلامتی عطا فرمائے۔

30

دوسرا باب

بعض مہینوں کی فضیلت واہمیت

ربیع الاول میں طلوع ہونے والا آفتاب

مکہ کی سنگلاخ زمین میں توحید ونبوت کا بیج

وادی غیر ذی زرع مکہ کی سنگلاخ زمین ! خالق کائنات کے علاوہ کسے معلوم تھا کہ یہ سرزمین جہاں پر انسان تو انسان چرند و پرند بھی ایک لمحے کے لیے ٹھہرنے کو تیار نہیں تھے اور جہاں ٹھہرنا تو درکنار وہاں تک پہونچنا بھی ہر ایک کے بس کی بات نہیں تھی؛ لیکن رب ذوالجلال (جس کی حکمتوں اور مصلحتوں کو کوئی نہیں جانتا) کے حکم سے ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والتسلیم اپنے پیارے فرزندارجمند حضرت اسماعیل اور اپنی اہلیہ محترمہ حضرت ہاجرہ علیہما السلام کے ہمراہ اس بے آب وگیاہ جگہ پر قدم رنجہ فرماتے ہیں اور اپنی بیوی وبچہ کو اللہ کے سپرد کرکے رخت سفر باندھ لیتے ہیں اور اس بنجر زمین میں توحید کا، نبوت کا، اخوت کا، انسانیت کا، غمگساری کا، ہدایت اور محبت کا بیج ڈالدیتے ہیں، اس کے بعد اللہ تعالی سے اس خطے کے آباد ہونے، پوری دنیا کے لوگوں کا وہاں رخ کرنے اور اللہ کی وحدانیت کے گن گانے کے لیے دعائیں کرتے ہیں اور بحکم خداوندی باپ اور بیٹے بیت اللہ کی تعمیر کرتے ہیں، پھر یہ شہر آباد ہوتا چلا جاتا ہے، مگر توحید ونبوت کے اگنے اور ہدایت کے برگ وبار لانے میں ہزار ہا سال لگ جاتے ہیں۔

چھٹی صدی کی دنیا

چھٹی صدی مسیحی میں جب پوری دنیا میں جاہلیت کی تاریکی چھائی ہوئی تھی، خدائے واحد کی ہر جگہ نافرمانی ہورہی تھی، بت پرستی کا دور دورہ تھا، ظلم وبربریت کے بادل ہر طرف منڈلارہے تھے، ہر طاقت ور کمزور کو کھائے جارہا تھا، عورتوں کی کوئی حقیقت نہیں

تھی، معصوم بچیوں کو زندہ درگور کرنا ان کا روز کا معمول تھا، من مانی زندگی گزاری جارہی تھی، جس پر آسمان بھی افسوس وخون کے ایسے آنسو بہارہا تھا کہ چرخ کہن نے اس سے پہلے کبھی اہل دنیا کا ایسا مظاہرہ نہیں دیکھا تھا۔

توحید ونبوت کا اعلان

اس وقت فاران کی چوٹیوں سے ایک آفتاب عالمتاب نمودار ہوتا ہے اور مکہ کی بلند پہاڑیوں سے پورے وثوق واعتماد، پوری ہمت وجواں مردی، استقلال اورصراحت کے ساتھ اللہ کی وحدانیت کا، حق پرستی کا اور اپنی نبوت کا اعلان کرتا ہے اور لوگوں سے کہتا ہے کہ ایک اللہ کی طرف آجاؤ، بندوں کی غلامی سے نکلو، دنیا کی تنگ وتاریک زندگی سے باہر آؤ، مذاہب کے جوروزیادتی اور ظلم سے بچو، اسلام کے عدل وانصاف والے مذہب کو اختیار کرو، بت پرستی کو چھوڑو، اب کسی پر ظلم نہیں ہوگا، کمزوروں کو نہیں ستایا جائے گا، لڑکیوں کو قتل نہیں کیا جائے گا، عورتوں کو وراثت میں حق ملے گا، حق کے پرستار ہوجاؤ، پانچ وقت کی نماز پڑھو، زکوۃ دو، روزہ رکھو اور بیت اللہ کا حج کرو، اچھائیوں کا حکم دو، برائیوں سے لوگوں کو منع کرو، اخلاق حسنہ اختیار کرو، علم حاصل کرو، قرآن سیکھو اور سکھاؤ، یہ خدا کی آخری کتاب ہے، میں آخری پیغمبر ہوں، نبوت کا سلسلہ ختم، اب قیامت تک کوئی نبی نہیں آئے گا۔

اعلان کے بعد لوگوں کی تین جماعتیں

اس اعلان کے بعد لوگ تین پارٹیوں میں تقسیم ہوجاتے ہیں، ایک پارٹی مشرکین کی، دوسری پارٹی منافقین کی، تیسری پارٹی مسلمانوں کی، جنھوں نے اس اعلان کی کھلم کھلا مخالفت کی وہ مشرکین ہیں، اللہ کی ناراضگی اوراس کے عذاب کے مستحق ہیں، انہوں نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے ساتھیوں کو طرح طرح کی تکلیفیں دیں، جہنم ان

کا ٹھکانہ ہے، دوسری پارٹی منافقین کی ہے، انہوں نے کھلم کھلا مخالفت تو نہیں کی مگر یہ کہ اس اعلان کو انھوں نے دل سے نہیں مانا، زبان سے کچھ کہتے اور دل میں کچھ ہوتا، مسلمانوں کی جاسوسی کرتے، مشرکین سے دوستی رکھتے، اللہ تعالی نے ان کے لیے ''اسفل سافلین''، جہنم کا نیچے کا طبقہ تیار کررکھا ہے۔

تیسری جماعت مسلمانوں کی

جس پارٹی نے مذکورہ اعلان پر پوراپورا عمل کیا، قلب وزبان سے تصدیق کی، وہ مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی اور صحابہ کہلائے، اللہ تعالی نے ان کے لیے رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ کا سرٹیفکٹ جاری کیا اور ایسی جنت ان کے لیے تیار کی جس کی لمبائی چوڑائی آسمان وزمین کے برابر ہے۔

صحابہ کی جاں نثار جماعت اور دین کی اشاعت

حضورؐ کے صحابہ کی اس جماعت نے اپنے پیغمبر اور نبی کی دعوت پر ایسی جاں نثاری کی، اتنی جدوجہد ومحنتیں کیں، اتنی تکلیفیں برداشت کیں کہ تاریخ انسانی اس کی نظیر پیش نہیں کرسکتی، اس کے ساتھ اخلاقیات اور تقوی وپرہیزگاری کا ایسا نمونہ پیش کیا کہ وہ حق وباطل کے درمیان فرقان بن گئے اور جہاں جہاں ان کی نگاہیں پڑتی رہیں وہاں کی تقدیریں بدلتی گئیں اور لوگ خودبخود حلقہ بگوش اسلام ہوتے گئے، یہاں تک کہ اس جماعت کے زمانہ میں ہی یہ دعوت، یہ دین، یہ پیغام جزیرۃ العرب سے نکل کر پوری دنیا میں پھیل گیا۔

سیرت کا پیغام مسلمانوں کے نام

ضرورت اس بات کی ہے کہ نبیؐ کی سیرت، اخلاق حسنہ اور پاکیزہ ماحول کو اختیار کیا جائے، ایک دوسرے کا احترام کیا جائے، ایک دوسرے کے جذبات کی قدر کی جائے،

چھوٹوں پر شفقت، بڑوں کا اکرام کیا جائے، معاشرت ومعیشت میں، تجارت وزراعت میں، لین دین میں، انفرادی واجتماعی زندگی میں اسلامی اقدار وروایات کا پاس ولحاظ رکھا جائے، اگر ایسا کیا جائے تو اب بھی مرد مومن کی نگاہ میں اوراس کی صحبت میں تاثیر اورلوہے کوکندن بنانے کی صلاحیت ہے۔

آج بھی ہو جو براہیم سا ایماں پیدا
آگ کرسکتی ہے انداز گلستاں پیدا

32

برکتوں کا مہینہ رمضان اور ہماری ذمہ داریاں

رمضان میں قرآن نازل ہوا

رمضان بڑی برکتوں والا مہینہ ہے، اس کی عظمت اورقدرومنزلت کا قرآن کریم میں تذکرہ ہے اوراحادیث میں بھی اس کی فضیلتیں وارد ہوئی ہیں، اللہ تعالی فرماتا ہے کہ: ”شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْآنُ، هُدًی لِلنَّاسِ وَبَیِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَی وَالْفُرْقَان (۱) ”رمضان کا مہینہ وہ ہے کہ جس میں قرآن نازل کیا گیا، جوکہ لوگوں کے لیے سراپا ہدایت ہے، اوراس میں ہدایت کی کھلی نشانیاں ہیں اورحق وباطل کوالگ الگ کرنیوالا ہے“۔

رمضان میں جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”إِذَا دَخَلَ رَمَضَانُ فُتِّحَتْ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ وَغُلِّقَتْ اَبْوَابُ جَهَنَّمَ وَسُلْسِلَتِ الشَّیَاطِیْنُ“ (۲) کہ رمضان المبارک میں جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، جہنم کے دروازے بند کردیئے جاتے ہیں اورشیطان کو بیڑیاں ڈال دی جاتی ہیں۔

ہر عمل کا ثواب دس سے سوگنا تک

ایک روایت میں ہے: ”کُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ یُضَاعِفُ الْحَسَنَةُ عَشَرُ أُمْثَالِهَا إِلیٰ سَبْعَةِ مِأَةٍ ضِعُفٍ“ (۳) کہ ”رمضان کے مہینے میں ابن آدم کے ہر نیک عمل کو دس گنا سے سات

(۱) سورۂ بقرہ آیت ۱۸۵۔ (۲) بخاری شریف حدیث نمبر ۳۰۵۵/۳۲۷۷۔ (۳) بخاری شریف حدیث نمبر ۱۷۹۵۔

سوگنا تک بڑھا دیا جاتا ہے" دوسری روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "رمضان المبارک ایسا رحمتوں اور برکتوں والا مہینہ ہے جس میں نفل عبادت کا ثواب فرض عبادتوں کے برابر کر دیا جاتا ہے اور فرض عبادت کا ثواب ستر عبادتوں کے برابر کر دیا جاتا ہے"۔

رمضان کی بعض فضیلتیں

رمضان کی فضیلتوں میں سے چند فضیلتیں یہ ہیں: مثلاً رمضان کی پہلی تاریخ کو جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور ایک منادی آواز لگاتا ہے کہ اے خیر و برکت کے طلب گارو! آگے بڑھو، اور اے شر و معصیت کے لٹیرو! دور بھاگو، اس مہینہ میں اللہ تبارک وتعالی محض اپنے فضل و کرم سے بہت سے جہنمیوں کو آزادی کا پروانہ عطا کرتے ہیں۔

رمضان میں تمام آسمانی کتابوں کا نزول

اس مہینہ کی فضیلتوں کا کیا کہنا کہ جس مہینے میں تمام آسمانی کتابوں کا نزول ہوا، چنانچہ رمضان کی ۴/تاریخ کو ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام پر صحائف نازل ہوئے، اور رمضان کی ۶/تاریخ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر توریت نازل ہوئی اور اسی مہینہ میں حضرت عیسی علیہ السلام کو انجیل ملی، حضرت داؤد علیہ السلام کو زبور ملی اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن جیسی قیمتی اور لازوال کتاب عطا کی گئی، اسی قرآن شریف کے بدولت آج ضلالت و جہالت اور بدعات و خرافات میں ڈوبی ہوئی بشریت کو نور اور روشنی ملی، گم گشتہ راہ انسانوں کو ہدایت ملی اور رمضان میں ہی واقعہ بدر پیش آیا جس کی برکت سے آج دنیا میں اسلام کا بول بالا ہے، اسی مہینہ میں مکہ فتح ہوا جس کے نتیجہ میں عظمت اسلام کے پرچم لہرائے گئے، ان سب باتوں سے اس مقدس مہینہ کی عظمت وجلالت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

روزہ کی برکتیں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِیْمَاناً وَاِحْتِسَاباً غُفِرَلَهُ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ" (۱) جس نے ایمان کی حالت میں احتساب کے ساتھ ثواب کی نیت سے روزہ رکھا، اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں" اور حدیث قدسی میں خود اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے: "اَلصَّوْمُ لِی وَاَنَا أَجْزِیْ بِهٖ" کہ "روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا اجر و ثواب بھی دوں گا" روزے آپ کیلئے اس لیے ہیں کہ خدا نے آپ کو جو ہدایت دی ہے اس پر اس کی بڑائی اور کبریائی بیان کرو اور خدا کا شکر ادا کرو، تاکہ تم متقی اور پرہیزگار بن جاؤ، یعنی تم تقوی کی زندگی اختیار کرلو۔

رمضان کی تقسیم اور اس کی برکتیں

اللہ تعالی نے رمضان کے اس مقدس مہینے کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے: پہلا حصہ یعنی پہلے دس دن امت کے لیے رحمت ہیں، امت پر اللہ تعالی کی رحمت خاصہ نازل ہوتی ہے، اور دوسرے دس دن میں روزہ دار مومنین کو اللہ تعالی کی طرف سے انعام کی شکل میں مغفرت کا پروانہ ملتا ہے، اس طرح کہ وہ پہلے اللہ کو راضی کر کے اس کی رحمت کے مستحق ہوئے اور پھر اپنے کیئے ہوئے گناہوں پر ندامت کے آنسو بہائے، اللہ تعالی سے توبہ کی، تو اللہ کی رحمت جوش میں آتی ہے اور اس کے گناہوں کو بخش دیتی ہے اور اس کو مغفرت کا پروانہ عطا کرتی ہے، تیسرے عشرہ میں اللہ تعالی کی طرف سے مومن روزہ دار بندوں کو دوزخ سے نجات کی خوشخبری سنائی جاتی ہے، جس میں رحمت الہی کا سمندر ٹھاٹھیں مارتا ہے اور پھر وہ عید کے دن اللہ کی رضا حاصل کر کے اپنے پروردگار سے انعامات اور بدلے کا مستحق ہوتا ہے،

(۱) بخاری شریف حدیث ۳۸/ومسلم شریف حدیث ۷۶۰۔

اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے لیے جس نے رمضان کا بابرکت مہینہ پایا ہوا اور اپنی مغفرت کا سامان مہیا نہ کیا ہو، اس کے لیے ہلاکت کی بددعا فرمائی ہے۔

رمضان میں مسلمان کیا کریں؟

ان تمام باتوں کے بعد رمضان کا مسلمانوں سے یہ مطالبہ ہے کہ جو اس مہینہ کو پائے وہ اس میں روزے رکھے، گناہوں سے اپنے آپ کو بچائے، کسی کا دل نہ دکھائے، کسی سے وعدہ خلافی نہ کرے، کسی کو بری بات نہ کہے، گالی گلوچ نہ کرے، نہ کسی کی چغل خوری کرے اور نہ کسی پر تہمت و بہتان لگائے، جن جن چیزوں سے منع کیا گیا ہے ان سے باز رہے، روزہ دار کی شان تو یہ ہونی چاہئے کہ غیبت، حسد، غصہ، طمع ہر قسم کی اخلاقی گندگیوں سے اپنے کو پاک رکھے، غصہ اور اشتعال کے موقع پر بھی صبر وضبط سے کام لے اور بدگوئی وسخت کلامی کے مقابلہ میں نرمی وفروتنی اختیار کرے، زبان پر ہمیشہ ذکر خدا جاری رکھے، خیالات کو پاکیزہ رکھے، نماز کا اہتمام کرے، نوافل کی کثرت کرے، تراویح میں پورا قرآن شریف سنے یا سنائے، قیام لیل کرے یعنی تہجد پڑھے، سحری کھائے، افطار کرے، اخیر عشرہ میں اعتکاف کرے اور زیادہ سے زیادہ صدقہ وخیرات کرے، غرضیکہ دن میں کھانے پینے اور جماع وغیرہ سے رکا رہے۔

اس لیے تمام مسلمانوں کو چاہئے کہ اس مہینے کی قدر کریں، اس کی عظمت کو پہچانیں، روزہ کا اہتمام کریں، قرآن کریم کی کثرت سے تلاوت کریں اور اپنے آپ کو ہر طرح کی خرافات وبدعات سے محفوظ رکھیں، زیادہ سے زیادہ وقت اللہ کی یاد، اس کی اطاعت وعبادات میں گزاریں، اللہ تعالی انشاء اللہ اپنی رحمت ومغفرت اور برکتوں سے نوازے گا، اللہ تعالی ہم سبھوں کو اس مقدس مہینہ کی قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور بار بار اس مقدس مہینہ کی برکتوں اور اس کی لازوال نعمتوں سے لطف اندوز فرمائے۔

حج پر جانے والوں کی خدمت میں

حج اسلام کا چوتھا رکن اور اس کی فرضیت

حج اسلام کا چوتھا رکن ہے، حج اس شخص پر فرض ہے جو بیت اللہ تک پہونچنے کی استطاعت رکھتا ہو، یعنی جس کے پاس مکہ مکرمہ تک پہنچنے اور واپس لوٹنے تک کا خرچ ہو اور اس کی واپسی تک اس کے اہل وعیال کی ضروریات کو کافی ہو، اس پر ضروری ہے کہ وہ ایام حج میں حج کے لیے حجاز مقدس کا سفر کرے "وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا"(۱) اللہ تعالی نے جس کو وسعت اور توفیق دی ہے، اور وہ اس اہم رکن کی ادائیگی کا قصد کرکے مکہ مکرمہ جاتا ہے اور بیت اللہ کا حج اور اس کی زیارت سے مشرف ہوتا ہے، وہ حاجی کہلاتا ہے اور وہ ایسے ہی گناہوں سے پاک وصاف ہوکر لوٹتا ہے جیسا کہ آج ہی اس کی والدہ نے اس معصوم کو جنم دیا ہے۔

حج پر جانے سے پہلے مسلمانوں کی خرافات

گاؤں دیہات میں بلکہ شہروں میں بھی بعض حج پر جانے والے اپنے سفر سے قبل زور دار دعوتوں کا پروگرام کرتے ہیں، تمام رشتہ داروں کو، اہل تعلق کو، دوستوں کو، چودھریوں کو پہلے نوتنے کے لیے جاتے ہیں، پھر بڑی دھوم دھام کیساتھ دعوت ہوتی ہے، جس میں خوب فضول خرچی کی جاتی ہے اور شہرت کے حصول یا نام ونمود اور دکھاوے کے لیے بہت سے ذرائع استعمال کئے جاتے ہیں اور بعض لوگ حج سے لوٹنے کے بعد یہ تمام خرافات کرتے ہیں، جو صحیح نہیں ہے، کیونکہ جب مسلمان زکوۃ دیتا ہے، روزہ رکھتا ہے، نماز پڑھتا

(۱) سورۂ آل عمران آیت ۹۷۔

ہے تواس طرح کی کوئی خرافات نہیں کرتا، پھر یہ کیا بات ہے کہ حج جیسی عبادت کی ادائیگی کے لیے پورے جشن منائے جاتے ہیں، مسجد کے لوڈ اسپیکر سے بار بار اعلان ہوتا ہے اور کھانے کی پرتکلف دعوتیں ہوتی ہیں، ایک ہجوم کا منظر ہوتا ہے، جیسا کہ شادیوں میں پرتکلف پروگرام ہوتے ہیں۔

اگر اللہ خوش نہ ہوا تو......

اگر کوئی حاجی حج کے لیے جائے اور وہ دعوت نہ کرے، لوگوں کو نہ بتلائے تو اس پر جملے کسے جاتے ہیں، اس پر اعتراضات کیے جاتے ہیں اور اس کے اس عمل کو مذموم قرار دیا جاتا ہے، جب کہ یہی عمل اللہ کے یہاں مقبول ہے، اگر حاجی نے دنیا کی ساری رسوم ادا کیں، رشتہ داروں کو، اہل تعلق کو خوش کیا اور جس کے لیے اتنا لمبا سفر کیا جا رہا ہے وہ خوش نہ ہوا، حج قبول نہ ہوا، تو لوگوں کا خوش کرنا کوئی کام نہ آئیگا، اللہ تعالی سب کو صحیح سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے اور اپنی دولت ومال کو اللہ کے راستہ میں غربا ومساکین یا مساجد ومدارس یا کسی بھی دینی کام میں خرچ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

سفر سے پہلے اور دوران سفر حاجی کی کیا کیفیت ہونی چاہئے

حج کے سفر سے پہلے اور دوران سفر بھی رجوع الی اللہ کی کیفیت اور اپنی عاجزی وانکساری کا احساس ہونا چاہئے، گناہوں سے معافی اور استغفار کا عمل جاری رہنا چاہئے اور اللہ تعالی کا اس پر شکر ادا کرنا چاہئے کہ اس نے اپنے فضل سے آپ کو اپنے دربار میں بلایا ہے، اور اس سعادت کا موقع عطا فرمایا، یہ آپ کی خوش بختی اور ستارہ اقبال کی بلندی، فضل ربانی اور انعام خداوندی ہے، ورنہ کتنے اللہ کے نیک بندے اور اہل دل بزرگ ساری عمر حج کی تمنا کرتے اور اس کا گیت گاتے دنیا سے چلے گئے؛ لیکن یہ سعادت ودولت ان کا مقدر نہ بن سکی، اور لاکھوں مسلمان اب بھی اس کے لیے تڑپتے ہیں، اس

لیے آپ کو اس کی قدردانی کرنا چاہئے؛ کیونکہ یہ آپ کی قدردانی، بلند حوصلگی اور عالی ہمتی کا امتحان ہے، بقول حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کے ''یہ عشق کی پلصراط ہے، بال سے زیادہ باریک، تلوار سے زیادہ تیز، یہاں تیز گامی بھی ضروری ہے اور سبک روی بھی، آپ نے جب اس راستے پر قدم رکھا ہے تو حوصلہ بلند کیجئے، دل کی پیاس بڑھایئے اور شوق کی آگ بھڑکائیے کہ یہ ''دولت بیدار'' ہر ایک کو نہیں ملتی اور ہر روز نہیں ملتی، ہر لمحہ کو غنیمت سمجھئے اور یوں سمجھئے کہ شاید یہ آخری موقع ہو، فرائض کی پابندی، نوافل کا اہتمام، خدمت وایثار کی کوشش، اہل حرم کا احترام، جیران رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت وخدمت، لایعنی سے احتراز، دل آزاری وایذارسانی سے قطعی پرہیز، شکستہ دلوں کی دلجوئی وغمخواری، کمزوروں، معذوروں اور فقراء کی خدمت گزاری، ذکر واستغفار کی کثرت یہ سب حج کی مقبولیت وقیمت بڑھانے والے اعمال ہیں''۔

احرام کی حالت میں کیا کریں

میقات سے پہلے یا میقات پر احرام باندھ لیں، اور پھر احرام کی حالت میں کوئی ایسا عمل صادر نہ ہونا چاہئے جو حج کے منافی ہو، بہت سے حاجیوں کو جوش وغصہ زیادہ ہوتا ہے، بات بات پر جھگڑتے ہیں، کھانے پینے کے معاملات میں لڑتے ہیں، جس کے ٹور میں جاتے ہیں اس سے جھگڑتے ہیں، یہ سب آداب حج کے خلاف اور مقام مقدس کے احترام کے منافی ہیں، اس طرح کی خرافات اور لڑائی جھگڑوں سے بچنا چاہئے، اگر کوئی غلطی واقع ہو جائے تو فوراً اس کا دم یا حرجانہ ادا کرنا چاہئے، حج کے سفر سے پہلے جہاں بہت ساری تیاریاں شروع ہو جاتی ہیں، حج اور مناسک حج سے متعلق بھی کوئی کتاب خرید کر پڑھنی چاہئے اور اس کا بار بار مطالعہ کرنا چاہئے ''معلم الحجاج'' یا کوئی دوسری کتاب ساتھ میں رکھنی چاہئے اور جو حج کے تربیتی کیمپ لگائے جاتے ہیں ان سے بھی استفادہ کرنا

چاہئے اور مسائل کو سیکھنے کی کوشش کرنا چاہئے، بلکہ کوشش یہ کرنا چاہئے کہ کسی عالم کا ساتھ اگر ہو جائے تو زیادہ بہتر ہے۔

حج کی تیاری کیا ہے؟

حج کی تیاری کیا ہے؟ قوت یقین، اللہ ورسول کی اطاعت اور وعدوں پر کامل وبے تکلف اعتماد کی عادت، ذوق وشوق وحلاوت ایمانی، کسی قدر سوز وگداز، دعا کی قوت وعادت، ضبط وایثار کی مشق، یہ حج کا صحیح توشہ اور زاد راہ ہے، قدم قدم پر اس کی کمی کا احساس ہوگا اور اس کی تلافی کسی مادی ذریعہ سے نہ ہو سکے گی، اس لیے حج کے دوران احرام کی حالت میں، طواف وسعی، قیام منی، وقوف عرفات، رمی جمرات، دعاء وملتزم میں بہت ہی متوجہ الی اللہ ہونا چاہئے اور قبولیت حج کی دعا کرتے رہنا چاہئے۔

حج کے ارکان واعمال

ذی الحجہ کی آٹھویں تاریخ سے حج کے اعمال شروع ہوتے ہیں، اس لیے آٹھویں تاریخ کو منی میں جا کر ٹھہریں اور پانچ نمازیں وہاں پر ادا کریں، بہت سے ٹور والے اور معلم حضرات نویں تاریخ کی صبح صادق سے پہلے ہی لوگوں کو منی سے عرفات بھیجنا شروع کر دیتے ہیں، یہ خلاف سنت ہے، نویں تاریخ کی صبح کو میدان عرفات کے لیے چلنا چاہئے، عرفات کے میدان میں ظہر، عصر اکٹھی پڑھی جاتی ہیں، وہ دعا کے قبول ہونے کا مقام ہے، وہاں پر بہت اہتمام اور دلی کیفیات کے ساتھ دعاؤں میں مشغول ہونا چاہئے، عرفات میں وقوف ضروری ہے، پھر جب غروب آفتاب کے بعد مزدلفہ کے لیے چلتے ہیں، تو رات میں جس وقت بھی مزدلفہ پہنچیں، وہاں پہنچ کر مغرب اور عشاء کی نماز ادا کرنی چاہئے، بعض پیدل چلنے والے لوگ تھک جانے کی وجہ سے یا مسئلہ معلوم نہ

ہونے کی وجہ سے مزدلفہ سے پہلے نماز پڑھ لیتے ہیں، یا مزدلفہ سے پہلے ہی پڑاؤ ڈال دیتے ہیں اور آرام کرنے لگتے ہیں، جب کہ ان کو نماز مزدلفہ میں پہنچ کر ادا کرنی چاہئے اور فجر کی نماز پڑھ کر سورج نکلنے سے پہلے مزدلفہ سے منی کے لیے روانہ ہونا چاہئے، پھر رمی جمرات (یعنی شیطان پر) کنکری مارنے کے لیے جانا چاہئے اور مسنون طریقہ سے کنکر مار کر واپس آنا چاہئے، دسویں تاریخ کو صرف آخری جمرہ کی رمی ہوگی اور پہلے اور درمیانی کی رمی نہیں ہوگی اور اس کا وقت دسویں تاریخ کی صبح صادق سے گیارہویں کی صبح صادق تک ہے، رمی کے بعد شکریہ حج کی قربانی کرے، یہ قربانی مفرد کے لیے مستحب ہے اور قارن ومتمتع کے لیے واجب ہے، مفرد نے اگر قربانی سے پہلے حجامت بنوائی اور اس کے بعد قربانی کی تو اس پر دم وغیرہ واجب نہیں، البتہ رمی، ذبح سے پہلے اور ذبح، حجامت سے پہلے کرنا مستحب ہے، اور قارن ومتمتع پر ذبح حجامت سے پہلے واجب ہے، اس میں لوگوں سے اکثر کوتاہی ہو جاتی ہے، اس لیے قربانی وحجامت یعنی بال منڈوانے کے مسئلہ کو اچھی طرح معلوم کر کے ذہن نشین کر لینا چاہئے؛ کیونکہ بغیر بال منڈوائے احرام سے باہر نہیں آسکتے، عورت کیلئے صرف سارے بالوں سے ایک انگل کے بقدر بال کٹوانا کافی ہے، اس سے فراغت کے بعد طواف زیارت کرے، یہ طواف رکن اور فرض ہے، اس کو دسویں تاریخ کو کرنا افضل ہے اور بارہویں کے آفتاب غروب ہونے تک جائز ہے، دسویں کو طواف زیارت کر کے مکہ سے منی آجائے، رات کو منی میں رہنا مسنون ہے، گیارہویں تاریخ کو زوال کے بعد ظہر کی نماز پڑھ کر تینوں جمرات پر سات سات کنکریاں مارے، پھر بارہویں کو زوال کے بعد اسی طرح رمی جمرات کرے، بارہویں تاریخ کو زوال کے بعد رمی کر کے منی سے مکہ مکرمہ چلا آنا بلا کراہت جائز ہے؛ لیکن افضل یہ ہے کہ تیرہویں کو رمی کے بعد آئے، تیرہویں کو بھی زوال کے بعد رمی کا وقت ہے، اس طرح حج پورا ہو جاتا ہے۔

حج کے بعد کیا کریں؟

حج کے بعد جب تک بھی مکہ معظّمہ میں قیام رہے، غنیمت اور سعادت سمجھواور حرم شریف میں نمازوں اور نفل طواف کو خدا کی طرف سے انعام سمجھو، اپنے والدین، عزیز واقارب اساتذہ ومشائخ اہل تعلق کو نفل طواف کر کے ثواب پہونچاتے رہو، پھر مکہ مکرمہ سے جب رخصتی کا وقت آئے، تو رخصتی کا طواف کرو، جس کا نام طواف صدر اور طواف وداع ہے، تیرہویں ذی الحجہ کے بعد اپنی طرف سے، والدین واقارب کی طرف سے اور جس کی طرف سے چاہو عمرہ کرو، عمرہ کا بھی بہت ثواب ہے، حرم میں قرآن شریف کی تلاوت کرو، حرم میں ایک قرآن ختم کرنا بھی مستحب ہے، اہل مکہ کی تعظیم کرو، جہاں تک ہوسکے ان کے ساتھ حسن سلوک کرو۔

مدینہ منورہ کی حاضری

حج سے فراغت کے بعد روضہ اقدس پر حاضری کے لیے مدینہ منورہ کا سفر کرنا چاہئے، اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے حج بیت اللہ کیا اور میری زیارت نہ کی یعنی مدینہ منورہ حاضر نہ ہوا، تو اس نے مجھ پر ظلم کیا، ایک روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص میری زیارت کرے گا، قیامت کے دن وہ میرے پڑوس میں ہوگا، ایک جگہ ارشاد فرمایا کہ جس نے حج کیا پھر میرے مرنے کے بعد میری قبر کی زیارت کی تو گویا اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی، ایک حدیث میں ارشاد فرمایا: "من زار قبری وجبت له شفاعتی" جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کی شفاعت مجھ پر واجب ہوگئی، ان روایات میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حد درجہ زیارت کی ترغیب دی ہے، اس لیے ہر مسلمان کو یہ سعادت کبری حاصل کرنی چاہئے، اسی لیے تمام حجاج کرام کچھ حج سے پہلے کچھ حج سے فراغت کے بعد مدینہ منورہ حاضری دیتے ہیں۔

مدینہ منورہ میں حاضری اور حاجی کی کیفیت

جب مدینہ منورہ کے قریب پہنچو تو خوب خشوع وخضوع اور ذوق وشوق پیدا کرو اور درود وسلام کی کثرت کرو، دعاؤں کا اہتمام کرو اور جس قدر ادب وتعظیم اور احترام ممکن ہو کرو، اس میں کوتاہی نہ کرو، مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل ہو تو نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ داہنے پیر سے دعاء کے اہتمام کے ساتھ داخل ہو، مسجد میں داخل ہو کر ممبر اور قبر شریف کے درمیان روضہ میں کھڑا ہو کر دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھو، بشرطیکہ وقت مکروہ نہ ہو، جو حصہ مسجد کے ممبر اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آرام گاہ کے درمیان ہے، اس کو روضہ اور ریاض الجنۃ کہتے ہیں، اس کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میرے گھر اور میرے ممبر کے درمیان ایک باغ ہے جنت کے باغوں میں سے، روضہ میں، محراب نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں تحیۃ المسجد پڑھنا افضل ہے، اگر وہاں موقع نہ ہو تو پھر روضہ میں جہاں جگہ ملے پڑھ لو اور سلام پھیر کر خدا تعالی کی حمد وثنا اور شکر ادا کرو اور زیارت کے قبول ہونے کی دعا مانگو اور دو رکعت شکرانہ کی نیت سے بھی پڑھ لو۔

سلام پڑھنے کا طریقہ

تحیۃ المسجد سے فارغ ہو کر نہایت ادب کے ساتھ مرقد اطہر صلی اللہ علیہ وسلم پر آؤ، اور دل کو تمام دنیاوی خیالات سے فارغ کرو اور سرہانے کی دیوار کے کونے میں جو ستون ہے، اس سے چار ہاتھ فاصلہ پر کھڑے ہو جاؤ اور قبلہ کی طرف پشت کر کے ذرا بائیں طرف مائل ہو جاؤ، تاکہ روئے انور صلی اللہ علیہ وسلم کا سامنا ہو جائے، ادھر ادھر مت دیکھو، نظر نیچی رکھو اور کوئی حرکت خلاف ادب نہ کرو، زیادہ قریب بھی کھڑے نہ ہو، اور جالی کو ہاتھ بھی نہ لگاؤ، نہ بوسہ دو، نہ سجدہ کرو، اس قسم کی باتیں خلاف ادب واحترام اور ناجائز

ہیں، اور سجدہ کرنا شرک ہے، اور یہ خیال کرو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لحد شریف میں قبلہ کی طرف منھ کئے ہوئے آرام فرما ہیں اور سلام وکلام کو سنتے ہیں اور عظمت وجلال کا لحاظ کرتے ہوئے متوسط آواز سے سلام پڑھو، زیادہ زور سے مت چیخو اور بالکل آہستہ بھی مت پڑھو، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا کرو اور شفاعت کی درخواست کرو۔

شیخین پر کیسے سلام پڑھا جائے

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام پڑھنے کے بعد ایک ہاتھ داھنی طرف کو ہٹ کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے چہرہ مبارک کے سامنے کھڑے ہوکر سلام پڑھو اور پھر ایک ہاتھ اور داھنی طرف کو ہٹ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے چہرہ کے مقابل کھڑے ہوکر سلام پڑھو اور جن مسلمانوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت بابرکت میں سلام پیش کیا ہوان کا سلام پہنچادو، اسی طرح جنھوں نے آپ کے دونوں یار حضرت ابوبکرؓ وحضرت عمرؓ کو سلام کہا ہوان کا سلام پہنچادو، جو حجاج حج کے لیے جاتے ہیں، ان سے درخواست ہے کہ وہ راقم آثم کا سلام بھی حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں اور دونوں خلفاء کی خدمت بابرکت میں پہونچادیں اور خاتمہ بالخیر اور مغفرت کی دعا فرما کر ممنون ومشکور فرمائیں۔

مسجد نبوی میں پنجگانہ نمازوں کا اہتمام

اکثر وقت مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اعتکاف کی نیت سے گزارو اور پنجگانہ مسجد نبوی میں ادا کرو، مسجد نبوی میں ایک نماز کا ثواب بخاری ومسلم کی روایت کے مطابق ایک ہزار سے زیادہ ہے، ایک روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص میری

مسجد میں چالیس نمازیں ادا کرے اور کوئی نماز اس کی فوت نہ ہو تو اس کے لیے دوزخ سے برأت لکھی جائیگی اور عذاب ونفاق سے بھی برأت لکھی جائے گی، اس واسطے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں نماز باجماعت کا خاص اہتمام کرنا چاہئے، اگر ممکن ہو تو مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں مستقل طور سے اعتکاف بھی کرو اور قرآن شریف بھی ختم کرو اور صدقہ خیرات بھی حسب حیثیت کرو، پھر جب مدینہ منورہ سے واپسی کا وقت آئے تو روضہ اقدس پر حاضر ہوکر سلام کرکے پھر رخصت ہو، پھر اپنے وطن کے لیے رخت سفر باندھو۔

حج کے بعد حاجی کی زندگی کیسی ہونی چاہیے

حج سے آنے کے بعد حاجی کی زندگی میں انقلاب آنا چاہئے، اپنے حج کا ہر ایک سے تذکرہ نہ کرے، فخر ومباہات نہ کرے، حج کی تکالیف کا لوگوں سے اظہار نہیں کرنا چاہئے، اعمال صالحہ کا مزید اہتمام ہونا چاہئے، اگر داڑھی نہیں رکھتا تھا تو داڑھی رکھنا چاہئے، بے نمازی تھا، تو نماز کا اہتمام ہونا چاہئے، اور جتنے برے کام پہلے کرتا تھا ان سے باز آنا چاہئے اور استقامت کی دعا کرنا چاہئے اور مثالی زندگی گزارنا چاہئے، اللہ تعالی ہم سب کو مثالی زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے اور حج مبرور نصیب فرمائے اور بار بار بیت اللہ شریف کی زیارت نصیب فرمائے۔ (آمین)

تیسرا باب

خطابت وصحافت

خطیب اور خطابت☆

خطابت میں زیادہ وسائل کی ضرورت نہیں

مضمون نگاری اور خطابت یہ ایسے دو مؤثر طریقے ہیں جن کے ذریعہ انسان اپنی بات دوسروں تک پہنچاتا ہے، مضمون نگاری کے لیے بہت سے وسائل کی ضرورت ہوتی ہے، مگر خطابت اور تقریر کے لیے زیادہ Suports درکار نہیں بلکہ جہاں کہیں بھی دو چار دس آدمی جمع ہوجائیں اتنے ہی آدمیوں کے مابین تقریر کی جاسکتی ہے، ہم کتنی باتیں کرتے رہتے ہیں مگر مخاطب پر اس کا کچھ اثر نہیں پڑتا، اگرچہ خطیب کوئی انہونی باتیں نہیں کرتا، بلکہ آیات قرآنی ، احادیث نبویؐ، واقعات صحابہ، حکایات سلف صالحین ، روزمرہ کے تجربات ومشاہدات اور تأثرات کو ایک خاص انداز میں مخصوص لب ولہجہ کے ساتھ مجمع عام کے سامنے بیان کرتا ہے اور اپنی جادو بیانی سے ایک سماں باندھ دیتا ہے، لوگ اس سے کافی متأثر ہوتے ہیں، بہت سے لوگوں کی زندگیوں میں اس مقرر کی تقریر سے عظیم انقلاب پیدا ہوجاتا ہے ، دینی موضوعات پر تقریر کرنے والا مقرر، قرآن وحدیث، واقعات سلف صالحین اور تاریخی قصے کہانیاں بیان کرتا ہے، اس کے برخلاف سیاسی موضوعات پر تقریر کرنے والا، تاریخ، قوموں کے عروج وزوال اور مختلف ملکوں کے حالات پر Remark اور تبصرہ کرتا ہے اور دنیاوی حالات کا تجزیہ کرتا ہے ، سیاسی مقررین کی باتیں وقتی اور ناپائیدار ہوتی ہیں اس کے برعکس دینی موضوعات پر تقریر کرنیوالوں کی باتیں دل ودماغ کے پردے پر نقش ہوجاتی ہیں ، اور وہ دیرپا اور پائیدار

☆ یہ مضمون دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں جمعیۃ الاصلاح کے جداری پرچے کیلئے ۱۹۹۵ء میں لکھا گیا تھا۔

ہوتی ہیں۔

تاریخ میں مشہور خطباء اور مقررین

تاریخ میں بہت سے ایسے مقررین کے نام لیے جاسکتے ہیں، جنھوں نے اپنی سعی مسلسل اور بلیغ کوشش سے مقررین کی فہرست میں اپنا نام درج کرایا اور دنیا میں اپنا ایک خاص مقام بنایا، ابراہیم لنکن سمندر کے کنارے پر کھڑا ہوکر سمندر کی موجوں کو اپنی تقریر سنایا کرتا تھا، مولانا ابوالکلام آزاد اپنے بھائی بہنوں کو مخاطب کر کے تقریر کی مشق کرتے تھے، بالآخر وہ کامیاب ہوئے، جن مقررین نے اپنی خطابت کا سکہ عوام وخواص کے سینوں میں بیٹھایا، ان میں پرانے لوگوں میں سحبان بن وائل، طارق بن زیاد، حجاج بن یوسف ثقفی، زیاد ابن ابیہ، حسن بصری، شیخ عبدالقادر جیلانی، اور قریب کے لوگوں میں مولانا آزاد، عطاء اللہ شاہ بخاری، سید سلیمان ندوی، مناظر احسن گیلانی، محمد علی جوہر، مولانا حسین احمد مدنی، شبیر احمد عثمانی، قاری محمد طیب، ابو الوفاء شاہجہاں پوری، حفظ الرحمٰن سیوہاروی، مولانا علی میاں ندویؒ، مولانا سید اسعد مدنیؒ کے نام لیے جاسکتے ہیں، جنہوں نے اپنی طلاقت لسانی اور زور خطابت سے انسانوں کے دلوں پر حکومت کی اور دنیا سے اپنی خطابت کا لوہا منوایا۔

سلاطین وحکمرانوں میں خلفاء اربعہ، بابر، شیر شاہ سوری، مہارانی لکشمی بائی، پنڈت نہرو وغیرہ باکمال مقررین کی حیثیت رکھتے تھے، جنہوں نے خطابت کا زور دکھایا، اور اپنی تقریروں سے مجمع کا رخ موڑ دیا، ان کے علاوہ اور بھی باکمال مقررین گذرے ہیں جن سے تاریخ بھری پڑی ہے، ہندوستان میں اس وقت عبداللہ بخاری، مفتی شکیل احمد سیتاپوری، مولانا محمد طاہر گیاوی وغیرہم اپنی جادو بیانی کی وجہ سے لوگوں کے دلوں کی دھڑکن بنے ہوئے ہیں، مولانا سید سلمان حسینی ندوی، مولانا خالد ندوی وغیرہ اپنی سحر بیانی

میں مشہور ہیں۔

آپ کس طرح تقریر اور خطاب کریں

آپ کس طرح ایسے مقرر بنیں اور کیسے خطاب کریں؟ اس کے لیے سب سے پہلے کسی موضوع اور عنوان کا انتخاب کرنا ہوگا، پھر اسی موضوع کے تحت آیات قرآنی، احادیث نبوی، واقعات صحابہ، اولیاء کے حالات ومشاہدات کا ایک خاکہ اپنے ذہن میں مرتب کرنا ہوگا، تقریر کے وقت اپنے نفس کو مخاطب سمجھنا ہوگا، تاکہ تقریر مؤثر ثابت ہو، دوران گفتگو بات بات میں جھنجھلاہٹ اور تیکھے پن سے بچنا چاہئے، جذباتی طور پر آداب مجلس کے حدود سے آگے بڑھنے سے بچنا چاہئے، اس لئے کہ تجربات شاہد ہیں کہ جذباتی باتیں کہنے والا وقتی طور پر مجمع کو مسحور کر کے اپنا ہمنوا تو بنالیتا ہے، مگر یہ وقتی اور ناپائیدار چیز ہوتی ہے، اس کی بہ نسبت جو مقررین وخطباء اعتدال وتوازن کی راہ پر ہوتے ہیں، ان کا خاص مقام اور قیمت ہوتی ہے، وہ اچھی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں وہ اپنی شعلہ بیانی کے ذریعہ لوگوں کی دلوں کی دھڑکن بن جاتے ہیں، یقیناً ایسے مقررین سے لوگوں کو غذا اور روحانی فائدہ پہنچتا ہے۔

بات تو جب ہے کہ بیاباں کو گلستاں کردوں
ورنہ سب جانتے ہیں باغ کو صحرا کرنا

صحافت اور صحافی کا طریقۂ کار☆

صحافت کیا ہے؟

صحافت ایک معزز پیشہ ہے جو اخبار نویسی، صحیفہ نگاری یا Journalism کے ناموں سے بھی معروف ہے، صحافت نگار کو صحافی، اخبار نویس Journalist کہتے ہیں، صحافت جدید وسائل ابلاغ کے ذریعہ عوامی معلومات، رائے عامہ اور عوامی تفریحات کی باضابطہ اور مستند اشاعت کا فریضہ ادا کرتی ہے، صحافت کے ابتدائی زمانہ میں اس کی ذمہ داری پہلے پہل طباعت گھر کے مالکوں نے سنبھالی تھی، وہ اخباری اطلاعات کے لیے سیاحوں سے ملاقات کرتے اور بات چیت کے ذریعہ متعلقہ مقامات کی تازہ تفصیلات حاصل کرنے کی کوشش کرتے تھے، یہ ابتدائی صحافی تاریخ کے صفحات پر ''پمفلٹ باز'' کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں؛ کیونکہ یہ چھوٹے کتابچوں کے ذریعہ نئی نئی معلومات کی نشر واشاعت کا بیڑا اٹھاتے تھے۔

صحافت کے اصول

صحافت کے تین اصول ہیں: اول تو یہ کہ اخبارات سماج اور معاشرے کے آئینہ دار ہوں، دوسرے یہ کہ ان سے اصلاح معاشرہ کا کام لیا جائے، تیسرے یہ کہ ان کے ذریعہ سے عوام میں جدید ترین علوم وفنون کا فروغ کیا جائے، آج جب ہم اپنے گرد وپیش کے اخبارات پر نظر ڈالتے ہیں تو اچھے اخبارات کے قابل صحافی صرف سماج کی عکاسی کرتے

☆ یہ مضمون دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں جمعیۃ الاصلاح کے جداری پرچے کیلئے ۱۹۹۵ء میں لکھا گیا تھا، پھر ماہنامہ ''نقوش اسلام'' کے اکتوبر ۲۰۰۷ء کے شمارے میں شائع ہوا۔

ہیں اور شہریوں کو ذمہ دار اور با اصول بنانے پر ذرا بھی زور نہیں دیتے، انہیں اخلاقیات کا درس دینے کی کوئی فکر نہیں کرتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ اخبارات کو سماج کا عکاس ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے قارئین کے سامنے اعلی اخلاقی نمونے بھی پیش کرنے چاہئے، صحافت کے ذریعہ قوم کو بیدار کرنا چاہئے، اور بین الاقوامی خبروں اور مسائل کا تجزیہ کرتے ہوئے ملکی حالات کو حل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے نہ کہ صرف بیرون ممالک کی خبریں لے کر ان پر نوٹ تیار کریں، ہونا تو یہ چاہئے کہ آزادانہ طور پر کھل کر ایسے حسین پیرائے میں لکھا جائے جس سے عوام کو نئی راہ نظر آئے اور ان میں ذمہ داری کا احساس پیدا ہو۔

صحافت کا طریقہ کار

صحافت ایک وسیع میدان عمل ہے، بعض صحافی اس مقدس پیشہ کو ایک مکمل روزگار کی طرح اپناتے ہیں، اور King Journalist کہلاتے ہیں، بعض اس مصروفیت کو وقتی طور پر اپناتے ہیں، بعض اسے شوقیہ طور پر اپنا کر اسے ذاتی شہرت کا وسیلہ بناتے ہیں، یا فرصت کے اوقات میں تھوڑا بہت کما لینے کا آسان ذریعہ بنا لیتے ہیں، انہیں آزاد صحافی، یا Freelance Journalist کہا جاتا ہے، حالانکہ صحافت ایک ایسا محنت طلب فن ہے جو پوری سنجیدگی سے اپنایا جانا چاہئے، قلم چلانے کا فن دیکھنے میں تو آسان نظر آتا ہے، مگر حقیقت میں یہ مشقت اور بھرپور رجحان کا طالب ہے، ہنسی مذاق یا ہلکی پھلکی تفریح کی خاطر صحافت سے ناطہ جوڑ لینے کا خیال نادانی ہے، صحافت ایک ایسا فن ہے جس میں تخلیقی قوتوں کے صحیح استعمال سے بہت کچھ حاصل کیا جا سکتا ہے، صحافت میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے جن اہلیتوں، قابلیتوں اور ضروری لیاقتوں کی ضرورت ہے، ان میں جسمانی، ذہنی اور اخلاقی صلاحیتوں کو بڑا دخل ہے، حق گو، راست باز اور اعتدال پسند صحافی ہمیشہ کامیاب رہتا ہے، ہمیشہ سچی خبریں شائع کرنے والا اخبار یا صحیفہ کبھی شرمندہ نہ ہوگا،

قارئین بھی ایسے اخبار پر فخر کرتے ہیں، حق پسندی کے بعد ہر صحافی کا واقفیت پسند ہونا بھی ضروری ہے۔

صحافی کا دائرہ لامحدود ہے

صحافت کا زندگی سے اور زندگی سے ادب کا چولی دامن کا ساتھ ہے، اسی نسبت سے بہت سے یوروپی دانش وروں اور ادیبوں نے ادب کو بھی صحافت کی ایک شکل قرار دیا ہے، ادیب بعض اوقات یا ہمیشہ ایک محدود طبقہ کو نظر میں رکھ کر اپنا قلم استعمال کرتا ہے، جب کہ صحافی کا دائرہ لامحدود ہوتا ہے۔

صحافی کو کیا کرنا چاہئے

صحافی کو عام مقبولیت کی خاطر تمام حالات اور واقعات کچھ اس انداز میں تحریر کرنے پڑتے ہیں کہ معمولی سے معمولی علمی استعداد رکھنے والے کی سمجھ میں بھی بات آئے، اس طرح صحافیانہ تحریر میں سادگی، سلاست اور راست بیانی پر زیادہ زور دیا جاتا ہے، کسی بھی صحافی کے لیے زبان کی صحت بہت ضروری ہے، وہ قواعد سے واقف ہو، صحیح ہجوں کے ساتھ زبان تحریر کرلے، جملوں کی ساخت میں لغزش کرکے یا صرف ونحو کے اصولوں کی خلاف ورزی کرکے من مانی زبان لکھ کر کوئی بھی صحافی اپنا رنگ نہیں جما سکتا، صحافی کی زبان درست ہو، عام فہم ہو اور جہاں تک ممکن ہو بے داغ ہو اور اچھی صحافت وہی ہوتی ہے جس میں سادگی اور صفائی ہو، اس میں ایسے الفاظ لائے جاتے ہیں جن سے قاری کے ذہن میں ہر وہ بات آجائے جو مضمون نگار، صحافی یا مصنف کہنا چاہتا ہے۔

کسی بھی تحریر میں اسلوب کی بڑی اہمیت ہوتی ہے، تمام نکات ایک تسلسل اور سلیقہ سے پیش کئے جانے چاہئیں، بے ترتیبی پر مفہوم بھی کچھ کا کچھ ہوجاتا ہے، اس لیے مصنف بھی

اپنی تحریر سے قبل ایک خاکہ ذہن میں بنائے اور ضروری نکات کاغذ پر بھی لکھ لے۔

صحافتی تحریروں کے لیے چھ اہم نکات

صحافتی تحریروں کے لیے چھ اہم نکات تحریر کئے جاتے ہیں:

۱- ہمیشہ سادہ اور سلیس الفاظ کا استعمال کیجئے۔

۲- غیر علمی اور غیر مروج الفاظ کا استعمال ہرگز نہ کیجئے۔

۳- متروکہ عبارتوں اور گھسے پٹے جملوں سے پرہیز کیجئے۔

۴- کسی بھی جملے کی طوالت کو حتی الامکان کم کرنے کی سعی کیجئے۔

۵- مقررہ الفاظ کو مستعدی سے تلاش کیجئے۔

۶- خبریں تحریر کرتے وقت اپنی رائے اس میں شامل نہ کیجئے۔

اس طرح آپ ایک بہترین صحافی، اچھے مصنف، عمدہ قلم کار بن سکتے ہیں۔

گر ہمی خواہی کہ باشی خوش نویس
می نویسی و می نویسی و می نویس

چوتھا باب

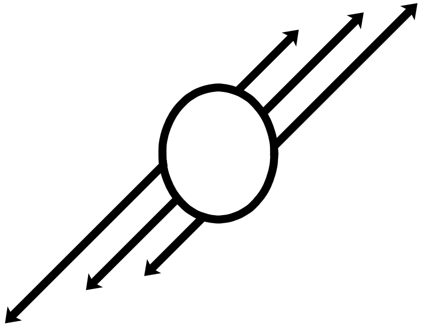

اردو زبان اوراس کی ترویج وترقی

جنگ آزادی میں اردو صحافت کا کردار☆

جنگ آزادی میں اردوداں طبقہ کا رول

ہندوستان کی جنگ آزادی میں اردو زبان اور صحافت کا کردار ہندوستان کی قومی تاریخ کا ایک اہم باب ہے، جنگ آزادی جس زبان میں لڑی گئی وہ مقبول عام زبان اردو اور اس کی صحافت ہے، اس زبان کے ادیبوں، شاعروں اور صحافیوں نے آزادی کی جدوجہد میں کلیدی حصہ لیا، کتنے ہی صحافی وشاعر پھانسی پر چڑھائے گئے، ان کی جائیدادیں ضبط اور مکانوں پر قبضے کئے گئے، اخبارات کے لئے ضمانتیں طلب کی گئیں، ان کے علاوہ مادر ہند کے جیالوں ہندو مسلمان اور سکھوں نے باہمی اتحاد اور فکروعمل کی یکجہتی کے ساتھ جو جدوجہد کی، اس میں ان کا سب سے بڑا سہارا اردو زبان اور اس کی صحافت تھی، ان سرفروشوں میں حضرت سید احمد شہیدؒ، حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ اور ٹیپو سلطان شہیدؒ، بہادر شاہ ظفرؒ، بیگم حضرت محلؒ، جنرل بخت روہیلہ، احمد اللہ شاہ، فیروز شاہ اور بے شمار علماء کرام ہیں جن کو پھانسیاں دی گئیں اور شہید کردئے گے، یا جیلوں کی سلاخوں میں رکھے گئے، جیسے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی، مولانا سید حسین احمد مدنی، مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا عبیداللہ سندھی، سب کے فرمان، خطوط اور مہروں میں اردو ہی استعمال ہوتی تھی۔

جنگ آزادی میں اردو اخبارات کا رول

اردو کا پہلا اخبار ''جام جہاں نما'' ۱۸۲۲ء میں شائع ہوا اور مغلیہ سلطنت کے خاتمہ تک تقریباً ۲۰/اردو کے اخبارات جاری ہوچکے تھے، جنہوں نے عوام مین وطن پرستی اور ملک

☆یہ مضمون ۲۸/اگست ۲۰۱۶ء کو ادارہ شباب اسلامی، میہو والا دہرادون کے تحت ہونیوالے اجلاس میں پڑھنے کیلئے لکھا گیا تھا۔

کی آزادی کا جذبہ پیدا کرنے میں بنیادی کردار ادا کیا ’’تاریخ صحافت اردو‘‘ کے مؤلف کے بقول ۱۸۵۷ء میں ہندوستانیوں نے انگریز سامراج کے خلاف جو بغاوت کی اس کی ذمہ داری انگریزوں نے اردو کے مذکورہ اخبارات پر ہی ڈالی اوراس کی پاداش میں ’’دہلی اردواخبار‘‘ کے بانی مولوی محمد باقر کوسولی پر چڑھا دیا گیا، ان کے بیٹے محمد حسین آزاد کے نام بھی گرفتاری کا وارنٹ تھا؛ لیکن وہ بچ کر نکل گئے، ان کے ہم عصر ’’صادق الاخبار‘‘ کے ایڈیٹر جمیل ہجر پر بغاوت کا مقدمہ چلایا اورانہیں تین سال کی سزا ہوئی، اسی سلسلہ کی ایک کڑی ۱۸۵۷ء مین بہادرشاہ ظفر کے نواسے مرزا بیدار بخت کے تحریری حکم سے شائع ہونیوالا اردو اور ہندی کا اخبار ’’پیام آزادی‘‘ ہے جو حقیقی معنوں میں آزادی کا نقیب بن کر منظر عام پر آیا، اس اخبار نے جنگ آزادی کی آگ بھڑکانے میں ایندھن کا کام کیا، یہی وجہ ہے کہ انگریز حکمرانوں نے اخبار کو بند کرنے کے ساتھ اس کے پڑھنے والوں کو بھی سزا کا مستحق قرار دیا، یہاں تک کہ جن لوگوں کے گھروں سے اس باغی اخبار کا شمارہ یا ایک ورق دستیاب ہوا انہیں بھی انگریز حکومت کے عتاب کا شکار ہونا پڑا، اس اخبار کے ایڈیٹر پرنٹر پبلیشر اور ایڈیٹر بیدار بخت کو موت کی سزا دی گئی، اخبارات کی اشاعت کا باقاعدہ مرحلہ شروع ہونے سے پہلے ہی اردو زبان عوام کے درمیان رابطہ کی زبان کا درجہ حاصل کرچکی تھی، صرف دہلی سے بارہ ایسے قلمی اخبار سپرد ڈاک کئے جاتے، جن کا مقصد انگریز حکومت کے خلاف عوام کو بیدار کر کے بغاوت کے لئے اکسانا تھا، یہی وجہ ہے کہ لارڈ اک لینڈ اور لارڈ کیننگ کو اعتراف کرنا پڑا کہ ’’قلمی اخبارات کی صحافت نے ہندوستانی عوام میں برطانوی حکومت کے خلاف بدگمانی پھیلا کر ۱۸۵۷ء کے انقلاب کی راہ ہموار کی ہے‘‘۔

اردواخبارات کے مدیروں نے ہرطرح کی قربانیاں دیں

اردواخبارات کے اس باغیانہ رول سے گھبرا کر انگریز حکمرانوں نے ہندوستانی پریس کا

44

گلا گھونٹنے کے لئے کارروائی شروع کی جس کے نتیجہ میں اردو اخبارات کی تعداد گھٹتے صرف ۱۲/رہ گئی، اس کے بعد آگرہ سے مکندلال کی ادارت میں ماہنامہ ’’تاریخ بغاوت ہند‘‘ اجمیر سے اجودھیا پرساد کی ادارت میں ہفت روزہ ’’خیر خواہ خلق‘‘ علی گڑھ سے سرسید احمد کی ادارت میں ’’سائنٹفک سوسائٹی‘‘ یا علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ‘‘ اور لکھنؤ سے پہلے ’’اودھ اخبار‘‘ اوراس کے بعد ’’اودھ پنچ‘‘ جاری ہوئے، ان اخبارات نے عوام میں آزادی کے لئے جدوجہد کا جذبہ اور سیاسی شعور پیدا کرنے کا اہم کام انجام دیا، ۱۸۶۰ میں دہلی کے مختلف امراء اور نواب زادوں کی زیر سرپرستی چھ اخبارات شائع ہورہے تھے، ان میں سب سے مشہور ’’اکمل اخبار‘‘ تھا، جسے حکیم عبدالحمید نے شائع کیا، ۱۸۷۷ء میں تین مزید نئے اخبارات کا اجراء عمل میں آیا، یہ اخبار ’’نصرت الاکبر‘‘ ’’نصرت الاسلام‘‘ اور ’’مہر درخشاں‘‘ تھے، جن کا مقصد عوام کو حالات حاضرہ سے باخبر رکھنا تھا، ۱۸۸۰ء کے دوران بارہ نئے اخبارات منظر عام پر آئے، اس وقت میرٹھ، آگرہ، لکھنؤ اور لاہور میں اردواخبارات اپنا حلقہ اثر قائم کرچکے تھے، نیز آزادی کے لئے جدوجہد کو آگے بڑھانے میں مصروف تھے، بیسویں صدی کا آغاز ہوتے ہی آزادی کے لئے قومی تحریک نے نئی کروٹ لی، حسرت موہانی اور ظفرعلی خان نے اپنے اخبارات ’’اردوئے معلیٰ‘‘ اور ’’زمیندار‘‘ کے صفحات پر مضامین اوراشعار کے وسیلہ سے ملک کے عوام کو آزادی کی ضرورت واہمیت سمجھانے کی بھرپور کوشش کی، بنگال سے مولانا ابوالکلام آزاد کا ’’الہلال‘‘ یا اس کی ضبطی کے بعد ’’البلاغ‘‘ دہلی سے محمد علی جوہر کے ’’ہمدرد‘‘ لکھنؤ سے جواہرلال نہرو کے ’’قومی آواز‘‘ پنجاب سے لالہ لاجپت رائے کی ’’وندے ماترم‘‘ بجنور سے ’’مدینہ‘‘ لاہور سے ’’ملاپ‘‘ ’’پرتاب‘‘ ’’انقلاب‘‘ اور ’’پیام‘‘ دہلی سے ’’ریاست‘‘ ’’الجمعیۃ‘‘ اردو کے وہ اخبارات ہیں جو جنگ آزادی کے بارے میں خبریں، پیغامات تقاریر اور منصوبوں کو پھیلا کر نیز سلگتے عصری مسائل پر اداریئے لکھ کر بیرونی حکمرانوں کا ناطقہ تنگ کرنے میں

کامیاب ہوئے، سابق ریاست بھوپال سے ''صداقت'' ''صبح وطن'' ''آواز'' اور ''رہبروطن'' کا جنگ آزادی میں نمایاں حصہ رہا، مذکورہ اخبارات کے مدیروں نے ہر طرح کی قربانیاں پیش کیں۔

اردو کے صحافیوں، ادیبوں اور شاعروں نے اپنی تخلیقات کے ذریعہ عوام میں بیداری پیدا کی

اردو زبان، ادب اور صحافت کا خمیر سیاسی شعور، سماجی انصاف اور مذہبی رواداری سے اٹھا ہے، اسی لئے اردو کے صحافیوں، ادیبوں اور شاعرون نے اپنی تخلیقات کے ذریعہ سماج میں وقوع پذیر حادثات وواقعات کو جہاں بیان کیا، وہیں جابر طاقتوں کے خلاف پوری شدت سے آواز بلند کی اور عوام الناس کے دل ودماغ میں وطن سے محبت کے اس تصور کو گہرا کیا جو مدہم پڑ گیا تھا، میرتقی میر، ذوق، غالب، واجد علی شاہ اختر ظہیر دہلوی نیز بہادرشاہ ظفر سبھی نے اپنے عہد کی بربادی اور انگریزوں کی غلامی پر نوحہ خوانی کی، تو حالی، چکبست اقبال اور جوش نے اپنی نظموں سے، مومن نے اپنی مثنوی سے، داغ، سالک، مجروح نے اپنے مرثیوں سے ہندوستانی عوام کو آزادی کی برکات اور غلامی کی لعنتوں سے اس فنکاری کے ساتھ آگاہ کیا کہ انکے اشعار اپنے عہد کی دھڑکن بن گئے، اردو شعراء نے ہندو اور مسلمانوں کو قریب لانے اور ان میں اتحاد عمل پیدا کرنے کے لئے ایک دوسرے کی برگزیدہ ہستیوں پر نظمیں لکھیں جو کافی مقبول ہوئین اور اخبارات کی زینت بنیں۔

جنگ آزادی کے دور کے قائدین کی دو خصوصیتیں

۲۰/صدی کے آغاز سے ۱۹۴۷ء تک تین ہزار سے زیادہ اردو کے اخبارات ورسائل شائع ہوئے، ان مین ۹۰/فیصد اخبارات یعنی ۲/ہزار ۷۵۰/اخبارات نے آزادی کی

لڑائی میں مختلف طریقوں سے حصہ لیا اور قربانیاں پیش کیں، اس دور کے سیاسی قائدین میں آپ کو دو خصوصیتیں ملیں گی، اول صحافی ہونا، دوم وکالت کرنا، مہاتمہ گاندھی، مولانا آزاد، حکیم اجمل خان، آصف علی، محمد علی جوہر، حسرت موہانی، بال گنگادھر تلک، لالہ جپت رائے سبھی صحافی تھے۔

آزادی کے بعد اردو صحافت کا کھلے دل سے اعتراف نہیں ہوا

لیکن افسوس کہ آزادی کے بعد آزادی کی تحریک میں اردو صحافت کے اس کردار کا کھلے دل سے اعتراف نہیں ہوا، اردو جیسی عوامی اور مقبول زبان کی شاعری ہو کہ نثر، فکشن ہو کہ صحافت سب نے حصول آزادی کا ایک جمہوری تصور پیش کیا اور عوام میں آزادی کی خاطر جان پر کھیل جانے کا جذبہ ابھارا، اس کو بھی فراموش کردیا گیا ہے، خدا کرے اس طرح کے سیمیناروں کے ذریعہ اور اس طرح کی تحریکوں اور پروگراموں کے ذریعہ اردو صحافت کو اس کا کھویا ہوا مقام دیا جا سکے، اللہ سب کو سمجھ عطا فرمائے۔ (یہ مضمون جناب عارف عزیز بھوپالی کی تحریر سے مستفاد ہے)

اردوزبان وادب کے ارتقاء میں دکن کا حصہ☆

اردوزبان کی خصوصیتیں

انسان کا شاید سب سے بڑا تخلیقی کارنامہ زبان ہے، ہم دراصل زبان کے ذریعہ اپنی ہستی کا اوراس رشتے کا اقرار کرتے ہیں جو انسان نے کائنات اور دوسرے انسانوں سے قائم کرر کھے ہیں، انسان کی ترقی کا راز بھی بہت کچھ زبان میں پوشیدہ ہے کیونکہ علم کی قوت کا سہارا زبان بھی ہے، ہم روزمرہ جس زبان کا استعمال کرتے ہیں وہ اردوزبان ہے، جوایک شریں زبان ہے، اوراس کی اپنی کچھ خصوصیات ہیں: اردوزبان کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ہندی، فارسی اورعربی کی تمام آوازیں موجود ہیں، اردو کے حروف ہجا ان تینوں زبانوں کے حروف ہجا سے مل کر بنے ہیں، دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس زبان میں دوسری زبانوں کے لفظوں اورمحاوروں کو اپنانے کی بڑی صلاحیت ہے، تیسری خصوصیت یہ ہے کہ اردو کا رسم الخط شروع سے فارسی ہے، اردوزبان کو انیسویں صدی کی ابتداء تک ہندی، ہندوی، دہلوی، ریختہ، ہندوستانی، دکنی اور گجراتی جیسے مختلف ناموں سے یاد کیا جاتا تھا۔

لفظ اردو کی تشریح

اردو ترکی زبان کا لفظ ہے، اس کے معنی لشکر، سپاہی، کیمپ، خیمہ وغیرہ کے ہیں، عہد مغلیہ میں یہ لفظ انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے، زبان کے معنی میں اس لفظ کا استعمال زیادہ پرانا نہیں، میرامن دہلوی، سرسید احمد خان اورسید احمد دہلوی (مؤلف فرہنگ آصفیہ)

☆ یہ مضمون رابطہ ادب اسلامی کے سہ روزہ اجلاس بتاریخ ۲۳/۲۴/۲۵/دسمبر ۲۰۱۶ء منعقدہ جامعہ اسلامیہ دارالعلوم رحمانیہ حیدرآباد کے لئے لکھا گیا تھا، جو ''نقوش اسلام'' کے شمارہ ۱۰/۱۱/۱۲/دسمبر/جنوری/فروری ۲۰۱۷ء میں شائع ہوا۔

کا یہ دعوی کہ اردوزبان کی ابتداء شاہجہانی لشکر (اردو) سے ہوئی، اس لئے اس زبان کا نام بھی اردو پڑ گیا، درست نہیں ہے، کیونکہ اٹھارہویں صدی عیسوی سے پیشتر کا کوئی شاعر، ادیب اور تذکرہ نگار اس زبان کو 'اردو' سے تعبیر نہیں کرتا۔

زبان کے مختلف خاندان

علمائے لسانیات نے زبانوں کو ان کی صوتی اورصرفی خصوصیات کی بنیاد پر مختلف خاندانوں میں تقسیم کیا ہے، سب سے بڑا خاندان آریائی زبانوں کا ہے، اس کے بعد منگول خاندان (چینی، جاپانی وغیرہ) کا نمبر آتا ہے، اورپھر سامی (عربی اورعبرانی وغیرہ) اور دراوڑی (تلگو، تامل، ملیالم، کنڑی) زبانوں کے خاندان ہیں، آریائی خاندان جو بنگال سے ناروے تک پھیلا ہوا ہے، کئی گھرانوں میں بٹ گیا ہے۔

ہندی، پنجابی، راجستھانی اورسندھی آپس میں بہنیں ہیں

ہندی کا علاقہ بہت وسیع تھا، یہ زبان ملتان سے پٹنہ تک بولی اور سمجھی جاتی تھی اوراس کی بہت سی مقامی بولیاں تھیں مثلاً برج بھاشا، کھڑی بولی، اودھی، بھوجپوری، قنوجی، ہریانی وغیرہ، اور یہ زبان راجستھانی اور پنجابی سے بہت قریب تھی، مماثلت اور ہمسائیگی کے باعث ہم ہندی (مغربی اورمشرقی) پنجابی، راجستھانی اورسندھی وغیرہ کو آپس میں بہنیں کہہ سکتے ہیں۔

اردو کی ابتداء

اردو کی ابتداء کے بارے میں ہم یقین سے فقط یہ کہہ سکتے ہیں کہ جب مغربی ہندی میں فارسی کا پیوند لگا تو یہ زبان وجود میں آئی، مغربی ہندی سے مراد وہ زبان ہے جو دہلی اور میرٹھ کے علاقہ میں بولی جاتی تھی، اگر یہ مان لیا جائے کہ غزنوی عہد میں لاہور اور ملتان وغیرہ میں بھی یہی زبان رائج تھی تو پھر یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اردو کی داغ بیل اسی خطے میں پڑی۔

اردو زبان کی تشکیل کا دور

تیرہویں، چودھویں اور پندرہویں صدی کا زمانہ اردو زبان کی تشکیل کا دور ہے، اس دور میں بقول مولوی عبدالحق اردو کٹھالی میں پڑی گل رہی تھی، ہنوز سونا نہیں بنی تھی، اس دور میں امراء اور عمائدین سلطنت نے اردو کو منہ نہیں لگایا، ممکن ہے کہ یہ لوگ گھروں میں یہی زبان بولتے ہوں، مگر ان کی تحریر اور تصنیف کی زبان مدت تک فارسی ہی رہی، یہی زمانہ تصوف اور بھگتی کے عروج کا بھی ہے، اسی دور کی اردو کی خصوصیات میں ہندی الفاظ کی بہتات تھی، عربی اور فارسی کے الفاظ خال خال پائے جاتے تھے، فارسی اور عربی کی مذہبی اور صوفیانہ اصطلاحیں استعمال کی جاتی تھیں، مگر شعراء ہندی اور سنسکرت کے ٹھیٹ الفاظ اور عارفانہ اصطلاحیں بھی بڑی بے تکلفی سے استعمال کرتے تھے، شاعرانہ بحریں اور اصناف سخن سب ہندی کے تھے۔

اسی دور کی ایک غزل بھی امیر خسرو کے نام سے مشہور ہے، جس کا پہلا مصرعہ فارسی میں ہے اور دوسرا اردو میں:

زحال مسکیں مکن تغافل دورائے نیناں بنائے بتیاں
کہ تاب ہجراں ندارم اے جاں نہ لیہو کاہے لگاہے چھتیاں
شبان ہجراں دراز از زلف وروز وصلش چو عمر کوتاہ
سکھی پیا کو جو میں نہ دیکھوں تو کیسے کاٹوں اندھیری رتیاں

اردو زبان نے دکن میں کافی ترقی کی

اردو زبان اور ادب نے ۳۰۰ رسال تک جتنی ترقی دکن میں کی اس کی نظیر پورے ملک میں نہیں ملتی، اسی لئے دکن کے لوگ اگر یہ دعوی کرتے ہیں کہ ان کے پرکھوں نے اردو

کونکھارا، بنایا، سنوارا اور اس میں ادبی شان پیدا کی تو یہ دعوی بے بنیاد نہیں ہے، قطب شاہی (گولکنڈہ:۱۵۱۸ء-۱۶۸۷ء) اور عادل شاہی (بیجاپور:۱۴۸۹ء-۱۶۸۶ء) دور میں اردو کو دکن میں بہت فروغ ہوا، اور وہ ملک کی سب سے مقبول زبان بن گئی۔

اردو کا فروغ مغلیہ سلطنت کے دور میں

جب دکن کی ریاستوں کو زوال آیا اور سلطنت مغلیہ کے دور عروج میں اورنگ زیب نے بیجاپور (۱۶۸۶ء) اور گولکنڈہ (۱۶۸۷ء) فتح کیا تو اورنگ آباد کی رونق بڑھ گئی، اردو کا اورنگ آبادی دور دراصل ایک درمیانی کڑی ہے، جو دکن کو شمالی ہندوستان سے ملاتی ہے، اورنگ آباد کے لوگوں کی زبان میں بھی یہ رنگ جھلکتا ہے جو دکنی تہذیب سے بھی متأثر ہے اور اردوئے معلیٰ سے بھی مماثلت رکھتی ہے۔

اردو زبان کی تاریخ میں شاہجہاں کا عہد بڑی اہمیت رکھتا ہے، اٹھارویں صدی کے تذکرہ نویسوں نے یہاں کی زبان کو ''اردوئے معلیٰ شاہجہاں آباد دہلی'' کا لقب دیا ہے۔

اردو دہلی اور اس کے نواح کے علاقے میں پیدا ہوئی اور علاء الدین خلجی، ملک کافور اور محمد تغلق کے حملوں کی وجہ سے دکن پہنچی، جہاں اس کو مختلف نام دئے گئے، مثلاً ہندی، ہندوی، گوجری، گجری، دکنی، مسلمانی، ترکماٹا، زبان اہل ہند، زبان دہلی، زبان ہندوستان وغیرہ، دکنی اسی اردو کا وہ قدیم روپ ہے، جو تیرہویں صدی عیسوی سے سترہویں صدی عیسوی تک دکن اور گجرات میں پروان چڑھتا رہا۔

اردو زبان کے مختلف روپ

۱۷۰۰ء میں جب دہلی میں ''ریختہ'' کے نام سے اردو شاعری کا احیاء ہوا، تو دہلی کی زبان دکنی سے بہ اعتبار صوتیات وصرف ونحو وغیرہ کسی قدر مختلف ہوگئی اور معیاری اردو کہلائی، اور اس کی وہ شکل جو دکن میں تھی، اسے دکنی کہا جانے لگا، دکن کے اولین مراکز

گجرات اور دولت آباد تھے، چنانچہ دکنی زبان ''گوجری'' اور ''گجری'' بھی کہلائی۔

ڈاکٹر چٹر جی گجری کی وجہ تسمیہ بتاتے ہوئے لکھتے ہیں: دکنی کا نام گجری اس کی اصلیت اور مشابہت کا آئینہ دار ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پنجاب کے گوجر جنہوں نے پنجاب کے شہروں کو گجرات اور گوجرانوالہ کا نام دیا، شمالی ہندی کی فوجوں کے ساتھ ہجرت کر کے دکن گئے، تو انہوں نے اپنے نام اور بولی کو کچھ دن کے لئے زندہ رکھا۔

شوکت سبزواڑی کے خیال میں: دکنی، گجری، گجراتی دراصل وہی زبان ہے جو دلی سے ان علاقوں میں پہنچی، البتہ ان میں مقامی الفاظ اور ترکیبیں شامل ہوگئیں، دکنی اور گجراتی کے اس اختلاط کی وجہ یہ ہے کہ ''دکنی'' کا لسانی خطہ جنوب کی مختلف ریاستوں یعنی گجرات، مہاراشٹر، آندھرا، میسور، تامل ناڈو کے موجودہ علاقوں پر مشتمل تھا، جہاں اردو زبان کا یہ روپ دکنی کی شکل میں ترقی کرتا رہا، جو بہ اعتبار صوتیات صرف ونحو، لغت وعروض معیاری اردو سے مختلف تھا، اس کی وجہ سے بعض علماء ''دکنی'' کو اردو سے علیحدہ زبان تسلیم کرنے لگے۔

ڈاکٹر محی الدین قادری جنہوں نے ''دکنی'' کی بازیافت میں نمایاں حصہ لیا اور محمود شیرانی، جنہوں نے اردو کے آغاز کے بارے میں سب سے پہلے قلم اٹھایا ''دکنی اور پنجابی'' کی جزوی مماثلتوں کی بنا پر دکنی کا ماخذ پنجابی قرار دیتے ہیں، ڈاکٹر زور ہندوستانی صوتیات میں معیاری اردو کو کھڑی بولی سے مشتق اور ''دکنی'' کو ''پنجابی'' سے مشتق بتاتے ہیں، لیکن ڈاکٹر چٹر جی، ڈاکٹر ژول بلاک اور ڈاکٹر مسعود حسین خان کی تحقیقات کی رو سے ''دکنی'' معیاری اردو کا قدیم روپ ہے، جس کا ہیولیٰ، نواح دہلی کی بولیوں، کھڑی، ہریانی اور میواتی سے تیار ہوا، دکن کا علاقہ ایک آریائی زبان مراٹھی سے بھی گھرا ہوا ہے، اس لئے ''دکنی'' نے مراٹھی اور اس سے قبل مہاراشٹری پراکرت کا خاصا اثر قبول کیا، اس کے علاوہ دراوڑی خاندان کی زبانوں، تامل، تلنگی، ملیالم، کنٹری سے گھری ہونے کی وجہ سے تلنگی، کنٹری اور تامل کے بعض الفاظ بھی دکنی میں شامل ہوگئے، لیکن ان زبانوں کے

اثرات سے اردو قواعد محفوظ رہے۔

دکن میں اردو زبان کی ابتداء

دکن میں اردو کی ابتداء علاء الدین خلجی اور ملک کافور کے حملوں سے ہوئی (۱۳۰۲-۱۳۱۳ء) مالوہ، اجین اور منڈو کو فتح کرنے کے بعد شاہی لشکر نے دکن کا رخ کیا اور دیوگیر (دولت آباد) اور وارنگل پر قبضہ کرتا ہوا راس کماری تک پہنچ گیا، خلجیوں کے بعد جونا خان نے اپنے باپ غیاث الدین تغلق کے عہد میں (۱۳۲۱ء) دیوگیر، وارنگل اور بیدر کو دوبارہ فتح کیا اور وہاں اپنے نائب متعین کر دیئے، پھر جب جونا خان سلطان محمد تغلق کے نام سے دہلی کے تخت پر بیٹھا تو اس نے ۱۳۲۷ء میں اپنا پایہ تخت دولت آباد منتقل کر دیا اور دہلی کے امراء اور عمال، اہل حرفہ اور تجار، علماء وفضلا اور شاہی لشکر کو ترک وطن کر کے دولت آباد میں سکونت اختیار کرنا پڑی، دوسال بعد بادشاہ خود تو دہلی واپس چلا گیا مگر دہلی کے بکثرت باشندے دکن ہی میں آباد ہوگئے، اس طرح دکن میں اردو کی داغ بیل پڑی، دکن میں اردو کے فروغ کا ایک سبب یہ ہوا کہ حسن گنگوہی بہمنی نے دکنی امراء کی مدد سے ۱۳۴۷ء میں دولت آباد فتح کرلیا اور دہلی سے رشتہ توڑ کر خود مختار بہمنی سلطنت کی بنیاد رکھی۔(۱)

بہمنی فرمانرواؤں نے اردو کو دفتروں کی سرکاری زبان قرار دیا، سید عین الدین گنج العلم حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے ایک سو مریدوں کے ہمراہ اسی زمانے میں دکن آئے، خواجہ محمد حسین گیسودراز نے بھی اسی عہد میں گلبرگہ میں سکونت اختیار کی۔

دکن میں ایرانی علماء اور شعراء کی آمد

دکن پر ایرانی تہذیب کا اثر ہمایوں بہمنی اور محمود شاہ بہمنی کے وزیر خواجہ محمود گاواں کے زمانے ہی میں بڑھنے لگا تھا، محمود گاواں بڑا صاحب فضل وکمال تھا اور علم وفن کا قدرداں

(۱) دکن میں اردو از نصیر الدین ہاشمی صفحہ ۲۴ / لاہور ۱۹۴۰ء۔

تھا، ایرانی امیروں اوردانشوروں کووہ خاص طور پر نوازتا تھا کیونکہ وہ خودبھی ایرانی تھا، چنانچہ گولکنڈہ اور بیجاپور کی فیاضیوں اورعلم پروریوں کا شہرہ سن سن کرایرانی علماء،شعراءاور امراءدکن میں آتے اوردولت اورعزت سے سرفراز ہوتے ، دکنی شاعروں نے فارسی کی تقلید میں اردومیں غزل کی ابتداءکی ،اردوکی سب سےقدیم غزل دکنی شاعرمشتاق کی ہے، جوسلطان محمدشاہ بہمنی (وفات۱۴۸۲ء) کے آخری زمانہ میں تھا،غزل کے دوشعر یہ ہیں:

تجھ دیکھتے دل تو گیاہور بیوا پر بےکل گھڑی
دیکھے تو ہے جیؤ کےاوپر نیں دیکھےتو کل گھڑی
آب حیات اورلب تیرے جاں بخش وجاں پرورآ ہے
مشتاق بوسےسوں پیاامرت بھری اوکل گھڑی (۱)

اردوزبان کا آغاز جنوبی ہند سے ہوا

اگراردوزبان وادب کےارتقاءپرنظرڈالیں تو یہ حقیقت معلوم ہوتی ہے کہ تاریخی اعتبار سے جنوبی ہندمیں اردوزبان نے پہلے اپنے سفرکا آغاز کیا،جنوبی ہند کے علاقوں گجرات اوردکن میں جس وقت اردوشاعری کا آغاز ہوا،اس وقت شمالی ہندمیں اس کےکوئی آثار موجودنہ تھے،دکن میں اردوشاعری کا آغاز بہمنی عہد۱۳۴۷-۱۵۲۷) میں ہوچکا تھا،اس عہد کی ادبی تاریخ ،تخلیق کاروں کے سوانح اوربیش تر ادب پارے گردش ایام کے نذر ہوگئے،بہمنی عہدمیں تخلیق ہونے والےاردوزبان کی شاعری کےاولین نمونے جن کی مدد سےاردوشاعری کےارتقا کی حقیقی صورت حال کے بارےمیں آگاہی ملتی ہےان کی تعداد بہت کم ہے، دکن میں اس زبان سے تخلیق ہونے والی شاعری کے ابتدائی نمونے اس حقیقت کے غماز ہیں کہ اردوشاعری کا ہیولیٰ یہیں سے اٹھاتھا،خواہ اسے کسی نام سے پکارا جائے یہ اردوشاعری کا نقش اول ہی سمجھا جاسکتا ہے، مثال کے طور پر گجرات میں اردو

(۱) دکنی ادب کی تاریخ:ازڈاکٹرمحی الدین زورکراچی صفحہ۱۶۔

شاعری کےاولین نمونوں کو گجری یا گجراتی زبان کی شاعری کےنمونے قرار دیا جاسکتا ہے، اگرچہ ان کی تعداد بہت کم ہےلیکن اپنی اصلیت کے اعتبار سے یہی اردوشاعری کی ابتدائی شکل ہے،بہمنی دورمیں دکن کواہم تجارتی اورعلمی مرکز کی حیثیت حاصل رہی ،تاہم اس عہد کی کوئی قابل ذکرتصنیف اب دستیاب نہیں،اس عہد کےایک ممتازادیب عین الدین گنج العلم کا نام مختلف تذکروں میں ملتاہے،لیکن اس کی کسی ایسی تصنیف کا سراغ نہیں مل سکا جوزبان دکنی میں ہو۔

بہمنی دورکی اولین اوراہم ترین تصنیف

اس دورکی اولین اوراہم ترین تصنیف جس تک ادب کےطلباءکی رسائی ہے وہ فخر الدین نظامی کی تصنیف ’’کدم راؤپدم راؤ‘‘ ہے،مثنوی ’’کدم راؤپدم راؤ‘‘بہمنی خاندان کےنویں بادشاہ سلطان احمدشاہ ولی بہمنی کے عرصہ اقتدار (۱۴۲۱-۱۴۳۴) میں لکھی گئی، اس مثنوی کا اہم ترین موضوع سلطان احمدشاہ ولی بہمنی کےعہدحکومت کےاہم واقعات اور معاملات سلطنت ہیں، اس مثنوی میں سیاسی نشیب وفراز ، معاشرتی زندگی کے ارتعاشات اورسماجی مسائل کے بارے میں تاریخ کےمسلسل عمل کوپیش نظررکھتے ہوئے بڑی مہارت سےلفظی مرقع نگاری کی گئی ہے،اس میں صدآفرینی کی جوکیفیت ہےاس کا کرشمہ دامن دل کھینچتاہے،اس عہد کے حالات نےتہذیبی اورثقافتی زندگی اورفنون لطیفہ پرجواثرات مرتب کئے،ان کے بارےمیں یہ مثنوی ایک اہم ماخذہے:

شہنشہ بڑا شاہ احمد کنوار		پرت پال ، سنسار، کرتا ادھار
دھنیں تاج کا کون راجا ابھنگ		کنور شاہ کا شاہ احمد بھجنگ
لقب شہ علی آل بہمن ولی		ولی تھی بہت بدھ تد آگلی

اس مثنوی میں اسلوب کے دو پہلو

اس مثنوی میں جو زبان استعمال کی گئی ہے، وہ چھ سو سال قدیم ہے، اتنی قدیم زبان کے ذخیرہ الفاظ کو آج کے دور میں سمجھنا بلا شبہ ایک کٹھن مرحلہ ہے، اس مثنوی میں اسلوب کے دو پہلو قابل توجہ ہیں، ایک تو یہ کہ تخلیق کار نے ’’ہندوی اثرات‘‘ کو اپنے اسلوب میں پوری آب وتاب سے جگہ دی ہے، دوسرا پہلو یہ ہے کہ اس مثنوی میں فارسی زبان اور اس کا لہجہ واضح طور پر مؤثر دکھائی دیتا ہے، اس طرح اسلوب میں ایک دھنک رنگ کیفیت سامنے آتی ہے، لسانی ارتقاء ایک مسلسل عمل ہے، گردش ماہ وسال کے نتیجے میں زبانیں بھی اپنے ذخیرہ الفاظ میں ردو بدل اور ترک وانتخاب کے مرحلے سے گزرتی رہتی ہیں، نئے نئے خیالات، متنوع اسالیب اور نئی زبانوں کے الفاظ کے اشتراک عمل میں ایک قوس وقزح کا منظر نامہ مرتب ہوتا ہے، لسانی ارتقا کی یہ کیفیت جہاں تخلیق کار کی ذاتی دلچسپی کو ظاہر کرتی ہے، وہاں اس کے مطالعہ سے اقتضائے وقت کے مطابق عصری آ گہی کے پہلو بھی سامنے آتے ہیں، مثنوی کے تخلیق کار نے اپنا پورا نام اور تخلص اپنی تخلیق میں متعدد مقامات پر لکھا ہے:

مجھے ناؤں ہے قطب دیں قادری
تخلص سو فیروز ہے بے دری

بہمنی دور میں پائے جانے والے رجحانات

بہمنی دور میں جو ادب تخلیق ہوا، اس میں پائے جانیوالے درج ذیل تین رجحانات قابل توجہ ہیں، جن کی عکاسی اس عہد کے اہم تخلیق کاروں کے اسلوب میں ہوتی ہیں:

۱- زیادہ تر تخلیق کاروں نے شعوری غور وخوض سے یہ کوشش کی کہ عجائبات فطرت، عبرت آموز واقعات، لوک داستانوں، قصوں، کہانیوں، انوکھی باتوں یا دلچسپ موضوعات کو پرلطف انداز میں اشعار کے قالب میں ڈھال کر قارئین ادب کے لئے

سکون قلب اور مسرت وخوشی کے مواقع پیدا کئے جائیں۔

۲- بہمنی عہد کے اکثر تخلیق کاروں کی توجہ مذہبی اقدار وروایات، تاریخی واقعات، اور سبق آموز حکایات کو شاعری میں سمونے پر مرکوز رہی۔

۳- بہمنی عہد کے تخلیق کاروں کے اسلوب میں مذہب سے وابستگی کا عنصر غالب رہا، انہوں نے مقدور بھر کوشش کی کہ تصوف اور مذہبی رشد وہدایت کے اہم موضوعات کو شاعری کے توسط سے قارئین تک پہنچایا جائے، وہ سمجھتے تھے کہ شاعری ہی وہ واحد ذریعہ ہے جو قارئین ادب تک ان کے خیالات کی ترسیل پر قادر ہے، تخلیق فن کے لمحوں میں بہمنی دور کے تخلیق کاروں نے ادب کے ذریعہ سے مسرت وشادمانی کے حصول کو اپنی اولین ترجیح قرار دیا، ان کے ادب پاروں میں ان کی شخصیت کے اہم پہلو پوری طرح سما گئے ہیں، ان کے شخصی وقار نے تخلیقی عمل کو بھی اسی حسین رنگ میں رنگ لیا ہے، اس عہد کی مشہور اور مقبول مثنوی ’’کدم راؤ پدم راؤ‘‘ میں تخلیق کار کے اسلوب میں پائے جانے والے رجحانات کی چند مثالیں پیش ہیں، ان کے مطالعہ سے لسانی ارتقا کے مختلف مدارج کی تفہیم میں مدد مل سکتی ہے:

سنیا تھا کہ ناری دہرے بہت چھند	سو میں آج دیٹھا تری چھند پند
بڑے ساچ کہہ کر گئے بول اچوک	دودھا دود کا چھاچھیا پیوے پھوک
مجھے مارناں مار کے گھال دے	ولے آج اکھر مار نیکال دے
جو کج کل کرنا سو توں آج کر	نہ گھال آج کا کام توں کال پر
بھلائے کوں بھلائی کرے کچھ نہ ہوئے	برے کوں بھلائی کرے ہوئے تو ہوئے

نظامی کی ایک اور مثنوی ’’خوف نامہ‘‘ ہے، اس مثنوی میں تخلیق کار کے اسلوب میں ارتقاء دکھائی دیتا ہے، پہلی مثنوی کی نسبت اس دوسری مثنوی میں نظامی نے سادہ، سلیس اور صاف لہجہ اپنایا ہے، اس مثنوی میں شاعر نے حیات بعد الموت کے مسائل کو موضوع

بنایا ہے ، انہوں نے قاری کو روز محشر کے بارے میں مذہبی روایات سے مطلع کیا ہے ، قیامت کے دن اعمال کی بنا پر جزاء اور سزا کا نہایت مؤثر اور دل نشین انداز میں ذکر کیا گیا ہے، شاعر نے اپنے ناصحانہ اسلوب کے ذریعہ قاری کو اخلاقیات کا درس دیا ہے، اس مثنوی میں تعلیم کو اولین ترجیح دیتے ہوئے شاعر نے افراد کے اعمال کی اصلاح کو اپنا مطمح نظر ٹھہرایا ہے، اس مثنوی میں تفریح کے بجائے تعلیم پر توجہ مرکوز کی گئی ہے۔

اس عہد میں زبان وبیان کی ارتقائی کیفیت کی مظہر تصانیف

حسن شوقی کی مثنوی ''فتح نامہ نظام شاہ'' (۱۵۶۴ء) اور اشرف بیابانی (۱۴۵۹-۱۵۲۸) کی مثنوی ''نوسرہا'' اس عہد میں یہ زبان وبیان کی ارتقائی کیفیت کی مظہر تصانیف ہیں، اشرف بیانی اپنی تصانیف ''واحد باری'' اور ''قصہ آخر الزماں'' کی شاعری میں استعمال ہونے والی زبان کو ہندی یا ہندوی کا نام دیتا ہے۔

ایک ایک بول یہ موزوں آن
تقریر ہندی سب بکھا ں

تخلیقی اعتبار سے دیکھیں تو تخلیق ادب کے یہ معائر جہاں نئے حقائق کے مظہر ہیں وہاں ان کی وجہ سے جمود کا خاتمہ ہوا اور نیا لسانی نظام وجود میں آنے کے امکانات روشن ہوتے چلے گئے ،اسی عہد کے ایک شاعر میراں جی شمس العشاق (۱۴۹۴ء) نے اپنی شاعری میں تصوف کے موضوع پر نہایت دلنشیں انداز میں اپنے اشہب قلم کی جولانیاں دکھائی ہیں، بہمنی عہد میں ان شعراء کی کاوشوں سے اردو کو پورے دکن میں زبردست پزیرائی نصیب ہوئی ، ماہرین لسانیات کا خیال ہے کہ بہمنی عہد میں تخلیق ادب کے سلسلے میں پورے دکن میں صرف اردو ہی واحد مشترک زبان تھی جس میں تخلیق کار پرورش لوح وقلم میں مصروف تھے، دکن کے اہل قلم نے اردو نثر میں بھی سب سے پہلے اپنے تخلیقی سفر کا آغاز کیا، اخلاق وتصوف کے موضوعات پر اس عہد میں چند رسائل منصۂ شہود پر آئے ، ان رسائل کے مصنف

شیخ گنج العلم ہیں، یہ رسائل بہمنی خاندان کے عہد میں دکن کی سرزمین سے تصنیف ہوئے۔

اردو زبان کی تاریخ کو سمجھنے کے لئے ادوار کی تقسیم

زبان اردو کی تاریخ کو مکمل طور پر سمجھنے کے لئے اس کو ادوار میں تقسیم کرنا مناسب ہے، یہ ادوار حسب ذیل ہیں:

دور موجدین: (۱۱۹۳ء-۱۳۴۷ء) یعنی کھڑی بولی کا ادب، کھڑی بولی مسلمانوں کی آمد سے پہلے لسانی اعتبار سے پسماندہ زبان تھی، مسلمانوں کی آمد کے بعد ایک مدت تک وہ صرف روزانہ کاروبار اور عام بول چال کی زبان رہی۔

دور متقدمین: (۱۳۴۷ء-۱۷۵۰ء) دکن کا اردو ادب، جس کو ادبی نظم ونثر کے نمونے پیش کرنے میں اولیت حاصل ہے۔

دور متأخرین: (۱۸۰۰ء-۱۸۵۷ء)

دور جدید: (۱۸۵۷ء-۱۹۳۵ء)

دور حاضر: (۱۹۳۵ء-۲۰۱۷ء)

دکنی ادب کے کئی اہم کارنامے

تیرہویں صدی سے سترہویں صدی تک دکنی ادب کے کئی اہم کارنامے منظر عام آئے، دکنی میں تصنیف وتالیف کا سلسلہ ۱۸۶۷ء تک برقرار رہا، چنانچہ ۱۸۶۷ء میں حیدرآباد کے ایک صوفی فقیر اللہ شاہ حیدر نے نہال چند لاہوری کی تصنیف ''بکاولی'' کے مقابل میں اپنی تصنیف ''تناولی'' پیش کی، باقر آگاہ اپنی مثنوی ''گلزار عشق'' کے دیباچہ میں جو ۱۷۹۶ء میں لکھی گئی، دکنی پر کئے ہوئے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں: ''مقصود اس تمہید سے یہ ہے کہ اکثر جاہلان وہرزہ سرایاں زبان دکنی پر اعتراض اور ''گلشن عشق''، ''علی نامہ'' کے پڑھنے سے احتراز کرتے ہیں اور جہل مرکب سے نہیں جانتے کہ

جب تک ریاست سلاطین دکن کی قائم تھی، زبان ان کی درمیان ان کے خوب رائج تھی، اورطعن شماتت سے سالم تھی، اکثر شعراء وہاں کے ابن نشاطی، فراقی، شوقی، خوشنود، غواصی، ایاغی، ہاشمی، شغلی، بحری، نصرتی، مہتاب وغیرہم نے اپنی زبان میں بے حساب قصائد، غزلیات، مثنویات اور قطعات رقم کئے اور داد سخنوری کا دئے“۔

دکن میں اردو زبان کو چار ادوار پر منقسم کیا جاتا ہے

دکنی کی ترقی کا اندازہ لگانے کے لئے دکنی ادب کی تاریخ کو ان چار ادوار میں منقسم کیا جاتا ہے:

پہلا دور: گجرات میں دکنی یا قدیم اردو کا چلن۔

دوسرا دور: ۱۳۲۴ء سے ۱۶۸۶ء تک، علاء الدین خلجی اور محمد بن تغلق کے حملوں کے بعد بہمنیہ سلطنت کے قیام اور بہمنیہ سلطنت کے سقوط کے بعد گولکنڈہ، بیجاپور اور احمد نگر کے شمالی ہند میں انضمام تک۔

تیسرا دور: اورنگ زیب کے عہد میں دکنی کا اہم مرکز اورنگ آباد تھا۔

چوتھا دور: دور آصفی، مرکز گجرات میں اس زبان کی سرپرستی حضرت عین الدین گنج العلم، شاہ علی جیوگام دھنی، بہاء الدین باجن، شیخ خوب محمد چشتی، جیسے علماء وصوفیا نے کی، شاہ علی جیوگام دھنی نے اپنی یادگار ایک اردو دیوان ”جواہر اسرار اللہ“ چھوڑا، شیخ خوب محمد نے اپنے مرشد بہاء الدین باجن کے کلام کی شرح ”خوب ترنگ“ کے نام سے لکھی، مابعد کے زمانے میں محمد امین گجراتی کی تصنیف ”یوسف زلیخا“ قدیم اردو کی اہم تصنیف ہے، سید علی جیوگام دھنی کے کلام کو ان کے ایک شاگرد نے ترتیب دیا، اس میں ان کی شاعری کے متعلق لکھتا ہے:

”در بیاں توحید و اسرار با الفاظ گجری بطریق فرمودہ“ یہ نام گجری اور گوجری دکنی کے لئے اس دور میں خاصہ مقبول رہا، چنانچہ بیجاپور کے مشہور صوفی شاہ برہان الدین جانم اپنی تصانیف

”کلمۃ الحقائق“ اور ”حجۃ البقاء“ میں دکنی کو گجری کے ہی نام سے یاد کرتے ہیں۔

بہمنی دور کے مشہور شعراء وادباء

بہمنی دور کے مشہور شعراء اور ادباء جن کے کارنامے منظر عام پر آ چکے ہیں، مندرجہ ذیل ہیں:

۱- حضرت عین الدین گنج العلم گجرات سے دکن تشریف لائے۔

۲- سید محمد حسینی بندہ نواز گیسو دراز۔

۳- حضرت اکبر حسینی۔

۴- حضرت عبداللہ حسینی

۵- نظامی-مصنف کدم راو پدم راؤ

۶- امیر الدین شاہ میراں جی شمس العشاق

۷- فیروز مصنف پرت نامہ یا توصیف نامہ میراں محی الدین

۸- اشرف مصنف نوسرہار

قلی قطب شاہ کے لسانی تجربہ کا اہم پہلو

قلی قطب شاہ کے دربار میں اس عہد کے متعدد نامور ادیب، شاعر اور دانش ور موجود تھے، ان میں میر محمد مومن، ملا وجہی، اور غواصی کے نام قابل ذکر ہیں، سلطان محمد قلی قطب شاہ نے جو لسانی تجربہ کیا، اس کا اہم ترین پہلو یہ ہے کہ اس کے تخلیقی عمل میں کئی تہذیبوں کا سنگم دکھائی دیتا ہے، ایک زیرک تخلیق کار کی حیثیت سے اس نے ایرانی، عربی اور مقامی تہذیب و ثقافت کے درخشاں پہلوؤں کو اپنے فکر و فن کی اساس بنایا، اس کے تخلیقی عمل میں فارسی شاعری کی روایت اور اسالیب پر توجہ مرکوز رہی، اس نے علم عروض، صنائع بدائع بالخصوص تشبیہات، استعارات اور تلمیحات کے سلسلے میں بالعموم فارسی زبان کی روایات کو

پیش نظر رکھا ہے، اس کی شاعری میں اس عہد کی تہذیب ومعاشرت کی حقیقی تصویر جلوہ گر ہے، جہاں تک حسن ورومان اور عشق ومحبت کے موضوعات کا تعلق ہے، قلی قطب شاہ نے یہاں ہندی روایت کو پیش نظر رکھا ہے، اس نے اظہار محبت اور پیمان وفا باندھنے کے سلسلے میں ہندی روایت ہی کو اپنی شاعری میں جگہ دی ہے، عشق کی ہندی روایت میں محبت کا اظہار سب سے پہلے عورت کی جانب سے ہوتا ہے، اس کے بعد وہ محبت کے دشت پرخار میں جب آبلہ پا مسافر کی طرح صدائے جرس کی جستجو میں بھٹک کر سرابوں اور سکوت کے صحراء میں آہ وفغاں کرتی ہے تو یہ بات قاری کے دل میں اتر جاتی ہے، حریف اور رقیب کے ستم تو الفاظ میں بیان کئے جاسکتے ہیں، مگر عاشق کی کج ادائی اور بے وفائی خون کے آنسو رلاتی ہے۔

قطب شاہی دور میں اردو کا فروغ
اور اس عہد کے اساطین علم وادب

بہمنی دور کے بعد قطب شاہی دور میں اردو زبان وادب کے فروغ کا سلسلہ جاری رہا، جنوبی ہند میں اردو زبان وادب کو مضبوط ومستحکم بنیادوں پر استوار کرنے میں اس عہد کے تخلیق کاروں نے بڑی محنت اور جگر کاوی کا ثبوت دیا، اس عہد کے ادیبوں نے تاریخی شعور کو بروئے کار لاتے ہوئے قارئین ادب کو اخلاص ومروت کا پیغام دیا۔

اس عہد کے اہم تخلیق کاروں میں باکمال تخلیق کار رملا خیالی، صاحب اسلوب سید محمود، مشہور شاعر فیروز، نامور ادیب ملا وجہی، سلطان محمد قطب شاہ، قادر الکلام شاعر ملا غواصی اور سلطان عبداللہ قطب شاہ، عظیم فن کار ابن نشاطی، استاد سخن طبعی، عظیم شاعر ولی دکنی جیسے اساطین علم وادب شمار کئے جاتے ہیں۔

گولکنڈہ کے مشہور شعرا

مختلف ادوار میں گولکنڈہ کے جن شعراء نے اپنی تخلیقی فعالیت سے اردو ادب کی ثروت

میں اضافہ کیا ان میں قطبی، شاہ سلطان، جنیدی، ابن نشاطی، میراں جی، میراں یعقوب، بلاقی، طبعی، محبّ، کبیر، اولیاء، غلام علی، سیوک، فائز، لطیف، شاہ راجو، فتاحی، افضل اور شاہی کے نام قابل ذکر ہیں۔

مغلوں نے ۱۶۸۵ء میں بیجاپور اور ۱۶۵۸ء میں گولکنڈہ کو فتح کرلیا تو جغرافیائی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ تہذیبی، ثقافتی، لسانی، معاشرتی اور سماجی تبدیلیوں کا ایک نیا سلسلہ شروع ہوگیا جس نے سلطنت میں ہر شعبہ زندگی کو متاثر کیا، مغلیہ عہد میں دکن میں جو ادب تخلیق ہوا وہ اردو زبان کے ارتقاء کا مظہر ہے، اس عرصہ میں جو مثنویاں لکھی گئیں، ان میں شعراء نے بالعموم تصوف، اخلاقیات، حسن ورومان اور رزم اور بزم کی شان دل ربائی قاری کو مسحور کردیتی ہے، مثال کے طور پر سراج اورنگ آبادی کی مثنوی ''بوستان خیال''، موضوع اور اسلوب کی دل کشی کے لحاظ سے شمالی ہند میں تخلیق ہونے والی مثنویوں سے کسی طرح کم نہیں، سراج اورنگ آبادی نے مثنوی بوستان خیال میں تخیل کی جولانیاں دکھاتے ہوئے اپنے کمال فن کو ادبی تخلیق میں احسن طریقے سے سمو دیا ہے، قاری اسے پڑھ کر حظ اٹھاتا ہے۔

مذکورہ بالا سطور سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اردو زبان وادب کے ارتقاء میں دکن کا کیا حصہ رہا ہے، بہت سے قلمکاروں نے اس موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے اور اپنی اپنی تخلیقات ومعلومات سے ادب سے دلچسپی رکھنے والے لوگوں کو اچھا مواد فراہم کیا ہے۔(۱)

(۱) یہ مضمون غلام شبیر رانا کے ''دکن میں اردو ادب کا ارتقاء'' اور محمد خالد کے ''اردو کے فروغ میں شعراء کا کردار''، سید شہزاد ناصر کے ''اردو زبان کی ابتداء اور اس کا ارتقاء'' اور اردو انسائیکلو پیڈیا ''اردو زبان وادب'' سے مستفاد ہے۔

زبان وقلم کے ذریعہ اردو زبان وادب کی آبیاری میں فضلاء مدارس کا رول ☆

اردو ایک شریں زبان ہے

اردوایک شیریں زبان ہے،اس کے اندر جاذبیت، چاشنی دلکشی اور لچک ہے، یہ دنیا میں بولی جانے والی زبانوں میں دوسرے یا تیسرے نمبر پر ہے،اور شاید ہی دنیا کا کوئی ایسا ملک ہو، جہاں پر اس کے بولنے والے نہ ہوں،اس اعتبار سے اس کو اگر پہلے نمبر پر کہا جائے تو یہ بھی صحیح ہوسکتا ہے،اردو کا کیا مطلب ہے؟ کب سے یہ رائج ہے؟ کس طرح یہ ترقی کرتی ہوئی آگے بڑھی ہے؟ امت کے کتنے جیالوں،ادباء اور علماء نے اس کے بال و پر سنوارے ہیں اور اس کی تزئین کاری کی ہے،اس کی نثری اور شعری صنفوں میں کس قدر طبع آزمائی کی ہے، یہاں تک کہ یہ پیاری اور سلیس زبان اپنے پیروں پر کھڑی ہوئی اور خود ایک تہذیب بن گئی، یہ مستقل ایک تاریخ ہے،اس سلسلہ میں اردو کے بہت سے خدام اور محبین اپنے قلم کو جنبش دیتے رہے ہیں،اور اپنے افکار ونظریات کو پیش کرتے رہے ہیں۔

اردو کے اولین خدمت گزار ادباء

دراصل آج کل زندگی کے کسی بھی شعبے کے سلسلہ میں یہ بات سامنے آتی رہتی ہے، کہ اس میں سازش کی گئی ہے،اور بلاشبہ سازشیں ہوئی بھی ہیں،اور ہوتی رہتی ہیں،لیکن چونکہ

☆ یہ مضمون راشٹریہ سہارا اردو ممبئی کے جون ۲۰۱۶ء کے شمارے میں اور ماہنامہ ''القاسم'' جامعہ ابوہریرہ خالق آباد نوشہرہ پاکستان میں بھی شائع ہوا۔

سازشوں کی تاریخ بھی اتنی ہی قدیم ہے جتنی انسانی تحریکات اور سرگرمیوں کی تاریخ ہے، اس لئے مؤرخین، سیرت نگار اور اہل قلم علم دوست حضرات تمام سازشوں کو بے نقاب کرتے رہے ہیں،اور حقائق لوگوں کے سامنے پیش کرتے رہے ہیں،جس سے حق وباطل صحیح وغلط اور دودھ وپانی کا صحیح امتیاز ہوتا رہتا ہے، یہ اردو زبان وادب جس کے اولین خدمت گزاروں سے لیکر اس وقت تک اس کی ترقی میں علماء کرام ہی کا اہم رول رہا ہے، بلکہ اس وقت جو صحیح زبان وادب زندہ ہے،وہ علماء کرام اور مدارس اسلامیہ ہی کے دم خم اور وجود مسعود سے ہے، جیسا کہ اس کے ابتدائی خدام میں مولوی محمد حسین آزاد، مولانا الطاف حسین حالی، مولانا شبلی، ڈپٹی نذیر احمد، مولوی محمد اسماعیل میرٹھی اور بابائے اردو مولوی عبدالحق وغیرہم علماء کرام ہی تھے، اسی طرح اب تک اس کے صحیح خدام علماء کرام اور اہل مدارس ہی رہے ہیں، مگر یہاں بھی وہی سازش والا مسئلہ پیش آیا جیسا کہ دین وسیاست میں تفریق کردی گئی، اسی طرح ایک خاص ذہن کے تحت اس زبان کے ادباء میں ایسے بے ادب شمار ہونے لگے جو اردو سے تو واقف ہیں مگر ادیب کہلانے کے مستحق نہیں، پیش نظر تحریر میں ہم ایسے ادباء کے اسماء گرامی پیش کریں گے جنہوں نے زبان کی وہ خدمت کی جس سے زبان زندہ ہوئی، اس میں نکھار پیدا ہوا،اور یہ اپنے پیروں پر کھڑی ہوئی، ہماری یہ تحریر مثبت انداز پر ہے، ہم اس میں کسی کی نفی نہیں کریں گے، البتہ یہ ضرور بتلائیں گے کہ واقعی اردو ادب کے صحیح ادیب کون ہیں،اور ان کی اردو کے تئیں کیا کیا خدمات ہیں۔

اردو کے شعراء اور ادباء

اردو میں بہت سے حضرات نے شاعری کی،اور انہوں نے زبان کو ترقی دی، بعض کی شاعری خالص اسلامی اور قرآن وحدیث کی ترجمانی اور اسلامی افکار ونظریات پر مشتمل ہے، بعض کی شاعری تفریح اور طنز ومزاح اور نقد پر مشتمل ہے، بعض کی ہفوات وخرافات اور

بے دینی کی باتوں پر محتوی ہے، ان سب کو لوگوں نے اردو کے خدمت گزاروں میں شمار کیا ہے، اسی طرح نثر میں جن حضرات نے زبان کو ترقی دی ہے، ان میں بعض نے خالص ادبی شہ پارے، ادبی نثر یئے لکھے، جن میں اسلامی افکار یا انسانی زندگی کے نظریات وجود میں آئے، بعض نے ناول وافسانے لکھے، اور خوب ذہنی ورزش کی بلکہ بعض مرتبہ ذہنی عیاشی کی، وہ بھی اردو کے خدمت گزار ادباء کہلائے، بعض نے فرضی کتے بلی کے واقعات، حکایات ولطائف اور تمثیلات قلم زد کیں وہ بھی ادیب ومفکر کہلائے، مگر جنہوں نے ادب کو سمجھا، ادب کو سیکھا اور سکھلایا، اور پوری زندگی ادب پر ادب اسلامی کے دائرے میں لکھتے رہے، ان کا کہیں نام ونشان نہیں، وہ ساری زندگی ادب سکھلاتے رہے، ادب سے لوگوں کو روشناس کراتے رہے۔

بے ادب ادباء

مگر بے ادبوں نے جو مجلسیں سجائیں، ان حقیقی ادباء کا نام مٹانے کی کوشش کی، جس میں وہ بظاہر کامیاب ہوئے، اور یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے، رسائل وجرائد میں اور ایوارڈ وانعام یافتگان کی لسٹ میں ایسے ہی حضرات کے نام شامل ہوتے ہیں جن کو اسلامی ادب سے کچھ لینا دینا نہیں، بس وہ چند مقالے یا ناول لکھ کر ادیب بن جاتے ہیں، لیکن سچی بات یہ ہے کہ ادب کا لفظ اپنے صحیح معنی اور حقیقت کے حساب سے ایسے لوگوں پر فٹ آتا ہے جن کی زندگی باادب ہے، انہی کو یہ لفظ سزاوار ہے، اور یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ ادب کے لفظ میں مذہبیت اور دینداری ہے، حسن اخلاق اور تہذیب ہے، اور جس قلم کار میں مذہب اور دینداری نہیں، اخلاق وتہذیب نہیں، وہ صحیح معنوں میں ادیب نہیں ہوسکتا۔

صحیح ادباء علماء کرام ہیں

اس لئے صحیح ادباء وہ حضرات علماء کرام ہیں جنہوں نے خالق کائنات کے کلام قرآن

مجید کی اردو زبان میں ترجمانی کی اور تفسیر لکھی، ان حضرات نے گویا کہ اردو کو مسلمان ہی نہیں بنایا بلکہ سونے سے زیادہ قیمتی بنادیا، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اس کو عالمگیر زبان بنادیا، کیونکہ انہوں نے کائنات کا عظیم سرمایہ اور آسمانی معجزہ اس زبان میں منتقل کیا، تو جنہوں نے یہ کارنامہ انجام دیا، وہ صحیح معنوں میں اردو زبان کے ادیب ہیں، یا جنہوں نے حدیث کی کتابوں کی تشریح اردو میں لکھی، ان کی زبان میں بلا کی فصاحت وبلاغت، سلاست وجاذبیت اور ادبیت پائی جاتی ہے، بھلا ان سے بڑھ کر ادیب کون ہوسکتا ہے، پھر جن حضرات نے اردو میں اسلامیات کی خدمت کی، فقہ واخلاقیات کی تعلیم پیش کی، اور اردو زبان میں تصنیفات کیں، یہ صحیح ادباء ہیں، مگر آج کل کے جینٹل مین ان حضرات کو ادباء نہیں گردانتے، یا ادباء کی فہرست میں ان کا شمار نہیں کرتے، حالانکہ پوری زندگی ان کی اردو ادب کی خدمت میں گزر گئی۔

بعض اکابر علماء اور ادباء

اس سلسلۂ تحریر میں ایسے صحیح ادباء کے اسماء اور تعارف پیش کیا جارہا ہے، جنہوں نے اردو زبان وادب کی صحیح خدمت کی، جیسے حضرت شاہ عبدالقادر دہلویؒ، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ جنہوں نے قرآن کریم کا اردو میں ترجمہ کیا، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ، حضرت مولانا ادریس کاندھلویؒ، حضرت مولانا عاشق الٰہی جنہوں نے قرآن کریم کی تفسیر اردو میں لکھی، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ جنہوں نے قرآن کریم کا ترجمہ کیا اور تفسیر لکھی، اور ہزاروں کتابیں اردو زبان میں تصنیف کیں، حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ جنہوں نے اردو میں اہم کتابیں تصنیف کیں، علامہ شبلی نعمانیؒ جنہوں نے سیرت النبی جیسی عظیم کتاب لکھی، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ،

حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ، حضرت مولانا علی میاں ندویؒ حضرت مولانا منظور نعمانیؒ، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ، حضرت مولانا مسعود عالم ندویؒ، حضرت مولانا عبدالباری ندویؒ، حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ، حضرت مولانا سید محمد میاں دیوبندیؒ ان کے ادیب ہونے میں کیا اشکال ہے، کتنی عظیم خدمات اور تصنیفات ان کی اردو زبان میں ہیں، حضرت شاہ وصی اللہ فتح پوریؒ، حضرت مولانا محمد احمد پرتاپ گڈھیؒ، حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ ناظم مظاہر علوم سہارنپور سے بڑھ کر کون ادیب ہوسکتا ہے، جنھوں نے زبان وبیان کے ادب کے ساتھ اخلاقیات کا ادب بھی پیش کیا ہے۔

موجودہ دور کے علماء ادباء

موجودہ ادباء میں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، مولانا واضح رشید حسنی ندوی، مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی، مولانا سید سلمان حسینی ندوی، مولانا سید بلال حسنی ندوی، مولانا محمد اکرم ندوی، مفتی سعید احمد پالن پوری، مفتی امین احمد پالن پوری، مولانا نور عالم خلیل امینی، مولانا اسرار الحق قاسمی، مولانا شمس الحق ندوی، مولانا نذر الحفیظ ندوی، مولانا برہان الدین سنبھلی، مولانا عتیق احمد بستوی، مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی، مولانا ریاست علی بجنوری، مولانا ناظم ندوی، مولانا عبداللہ خیرآبادی، مفتی سلمان منصور پوری، مولانا عبدالقیوم حقانی، مفتی تقی عثمانی اور مفتی شبیر احمد قاسمی سے زیادہ کون اس وقت اردو زبان وادب کی خدمت کررہا ہے، اور نہ معلوم کتنے علماء، مدارس وکالجز اور یونیورسٹیوں میں اردو ادب کے ذریعہ اخلاقیات، اسلامیات، سیاسیات، اقتصادیات اور معاشیات کی تعلیم دے رہے ہیں۔

اردو کے دوسرے خدمت گزار

اسی طرح وہ تمام اردو رسائل وجرائد کے مدیران اور دینی سماجی، اخلاقی اور اصلاحی

کتب کے مصنفین جن کے قلم سے اردو زبان کے کتب خانہ میں اضافہ ہورہا ہے اور زبان کی خدمت ہورہی ہے، یہ تمام حضرات اردو کے ادیب ہیں، اور ان کو اردو کا ادیب کہنا چاہئے، اور اس فہرست میں آپ ان تمام حضرات کو شامل کرسکتے ہیں، جو کسی بھی طرح اردو زبان وادب کو اختیار کئے ہوئے ہیں، اور اپنی تخلیقات اردو میں پیش کررہے ہیں۔

یہ تحریر اس انداز پر سوچنے کی ایک تمہید ہے

دراصل ہمیں بتلانا یہ ہے کہ صحیح ادباء کون ہیں، اور کون اردو زبان کی زیادہ خدمت کررہے ہیں اور کون صحیح ادب پیش کررہے ہیں، واقعی حضرات علماء کرام کی زندگی بھی ادب کا نمونہ ہے، ان کی زبان بھی ادب کا شاہکار ہے اور ان کی تحریر وقلم بھی ادب کا اعلی مرقع ہے، یہ تحریر اس انداز پر سوچنے کے لئے اور بے دین ادباء کی سازش کو بے نقاب کرنے کیلئے ایک تمہید ہے، جس سے اس انداز پر سوچنے کا ایک رخ ملتا ہے، اب آپ اس انداز پر سوچیں اور جتنے علماء کرام ادبی خدمات پیش کررہے ہیں، سب کو امت کے سامنے پیش کیجئے، ان کی خدمات کو پیش کیجئے، اور ابھی تک آپ کی آنکھوں میں جو دھول جھونکا جارہا ہے، اس کو ہٹائیے، اور قارئین کو حقیقت سے آگاہ کیجئے، اور دوسروں کے دست نگر مت رہیئے کہ وہ آپ کو اور علماء کو ادیب کہیں، بلکہ آپ خود اعتمادی کے ساتھ اس کی دعوت دیجئے، اور حقیقی ادباء علماء کو گردانیئے، اور شاید رابطہ ادب اسلامی کی یہی سوچ ہے جس کی بنا پر وہ صحیح اہل علم ادباء کی خدمات امت کے سامنے پیش کرتا ہے۔

پانچواں باب

زبان وادب

ابراہیمی قصوں میں قرآنی ہدایات☆

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تاریخ پیدائش

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت اور حضرت نوح کی ولادت کے درمیان ۸۹۰؍ سال کا عرصہ ہے، حضرت ابراہیم کا سال ولادت سر چارلس مارسٹن محقق اثریات کی جدید تحقیق کے مطابق ۲۱۶۰ق م ہے، عمر توریت میں ۱۷۵؍سال درج ہے، سال وفات اس حساب سے ۱۹۸۵ق م ٹھہرتا ہے، حضرت ابراہیم کے والد کا نام تارخ تھا یا عربی تلفظ میں آزر، وطن آبائی ملک بابل یا کلدانیہ (کالڈیا)، جدید جغرافیہ میں اسی ملک کو ’’عراق‘‘ کہتے ہیں، جس شہر میں آپ کی ولادت ہوئی اس کا نام توریت میں اُور (UR) آیا ہے، مدتوں یہ شہر نقشہ سے غائب تھا، اب از سر نو نمودار ہوگیا، یہ شہر خلیج فارس کے دہانہ فرات اور عراق کے پایہ تخت بغداد کے تقریباً درمیانی مسافت پر ہے، حضرت ابراہیم نے آنکھ کھولی تو ہر طرف مشرکانہ ماحول نظر آیا، بلکہ باپ جونکہ بت پرست، بت ساز اور بت فروش تھا، اس لیے گھر بتوں سے پٹا پڑا تھا۔

حضرت ابراہیم بچپن سے ہی سلیم الفطرت تھے

اللہ تعالی نے حضرت ابراہیم کو بچپن سے ہی عقل سلیم اور فطرت راشدہ عطا کی تھی، قرآن میں ہے: ’’وَلَقَدْ آتَيْنَا اِبْرَاهِيْمَ رُشْدَهُ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهِ عَالِمِيْنَ‘‘ (۱) اور ہم نے

☆ یہ مضمون رابطہ ادب اسلامی کے اجلاس بعنوان ’’قصص قرآنی کا ادبی وتربیتی پہلو‘‘ منعقدہ ۱۰؍اپریل ۲۰۱۱ء مرکز الامام ابی الحسن الندوی تکیہ کلاں رائے بریلی کے لئے لکھا گیا تھا۔

(۱) سورۂ انبیاء آیت

ابراہیم کو پہلے ہی بچپن ہی سے وہ ہدایت عطا کی تھی جوان کے لائق تھی ، اور ہم ان کی استعداد واہلیت کو جانتے تھے، اس لیے حضرت ابراہیم نے اپنے باپ اوراپنی قوم کی یہ حالت دیکھ کران سے فرمایا''مَاھٰذِہِ التَّمَاثِیْلُ الَّتِیْٓ اَنْتُمْ لَھَاعَاکِفُوْنَ'' یہ مورتیاں کیا ہیں؟ جن کے آگے تم جھکے بیٹھے ہو(خود ہی ان کو گھڑتے ہواور پھرانہیں کے آگے سرجھکادیتے ہو)انہوں نے جواب دیا(اورتو ہم کچھ جانتے نہیں مگرسب سے بڑی دلیل بت پرستی کی سچائی کی یہ ہے کہ)ہم نے اپنے بزرگوں کوان کی پوجا کرتے پایاہے(بھلا ان جیسے عقل وسمجھ اور تجربہ والے لوگ کیسے غلط کام کرسکتے ہیں)حضرت ابراہیم نے فرمایا (اس جواب سے تمہاری حقانیت اورعقل مندی تو ثابت نہیں ہوئی ہاں)یہ ثابت ہوا کہ تم اورتمہارے بزرگ دونوں کھلی گمراہی میں ہیں(ساری قوم کے برخلاف حضرت ابراہیم کی یہ بات سن کران کوتعجب ہوااور)کہنے لگے کیا سچ مچ تیرا یہی عقیدہ ہے، یامحض ہنسی، دل لگی کررہاہے، حضرت ابراہیم نے جواب دیا(میرا عقیدہ یہی ہے اورمیں پورے یقین اور بصیرت کے ساتھ اس کی گواہی دیتا ہوں کہ تمہارے پروردگار یہ تمہارے ہاتھوں کے تراشے ہوئے بت نہیں بلکہ)تمہارا پروردگارآسمانوں اورزمین کا نظام چلانے والا، وہ خدا ہے جس نے ان کو بنایا، اورقسم خدا کی میں تمہارے بتوں کی حقیقت بتانے کے لیے خفیہ تدبیر کروں گا، جب تم لوگ پیٹھ پھیر کر جاچکو گے(یہ بات حضرت ابراہیم نے ذرا آہستہ سے کہی، تھوڑے لوگوں نے سنی، بہت سوں نے نہ سنی)۔(۱)

والدین کو کیسے نصیحت کریں

حضرت ابراہیم نے چونکہ مشرکانہ ماحول میں آنکھیں کھولی، اس لیے ان کو سب سے پہلے باپ سے واسطہ پڑا، حضرت ابراہیم اپنے باپ کوادب اورمحبت کے ساتھ طرح طرح

(۱) سورۃ الانبیاء آیت ۵۱/۵۷۔

کی نصیحتیں کرتے رہے، مگر باپ نے ایک نہ مان کردی، بلکہ انہیں دھمکی دی کہ میں تمہیں سنگسار کردوں گا، حضرت ابراہیم نے فرمایا مگر میں تو اپنے مہربان خدا سے آپ کی مغفرت کی دعا کرتارہوں گا، سورۂ مریم میں مذکوراس واقعہ سے قرآن کریم یہ ہدایت دیتا ہے کہ والدین کا جو مقام ہے وہ بہت اونچا ہے، اگر ماں باپ مشرک بھی ہوں، توان کا ادب واحترام، ان کا پاس ولحاظ کیا جائے، اورنصیحت کی ضرورت پڑے تو بھی ادب واحترام کا معاملہ ہاتھ سے نہ جانے دیا جائے۔

چاند، ستارے اورسورج خدانہیں ہوسکتے

سورۂ انعام میں مذکور ہے کہ حضرت ابراہیم نے اپنی قوم کے جھوٹے معبودوں کی قلعی کھولنے اوران کی بے چارگی اورعاجزی کوظاہر کرنے کے لیے عملی اقدام شروع کیے، پہلے انہوں نے آسمانی معبودوں یعنی ستاروں کی طرف توجہ کی، ان کوبطوراستفہام معبود بتلایا، پھرچاند کی طرف توجہ کی، پھراس کومعبود سمجھا، پھرسورج کی طرف توجہ کی اوراس کو بڑا سمجھا کہ یہی بڑامعبود ہے، مگر جب یہ بھی ستاروں کی اورچاند کی طرح غروب ہوگیا تو پھر آپ نے اعلان کیا کہ ''قَالَ یٰقَوْمِ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِکُوْنَ''(۱) اے میری قوم تم جن (ناپائیدار اورتغیر قبول کرنے والی)چیزوں کوخدائے بزرگ وبرتر کے ساتھ خدائی میں شریک کرتے ہو، میں ان سے بے تعلق ہوں، اس واقعہ میں یہ بتلایا کہ اس کائنات میں کوئی چیز کتنی بھی بڑی ہوجس کی ذات وصفات ناپائیدار ہیں وہ خدانہیں ہوسکتیں۔

بتوں میں نفع ونقصان پہنچانے کی صلاحیت نہیں

سورۃ الانبیاء میں یہ واقعہ ہے جس کے بارے میں حضرت ابراہیم نے کہا تھا کہ زمینی معبودوں کی حقیقت دکھانے کے لیے میں خفیہ تدبیر کروں گا، آخروہ دن آیا جب شہر والے

(۱) سورہ انعام آیت ۷۶/۷۹۔

سالانہ جشن منانے کے لیے گھروں سے باہر گئے اور ان کے بت خانے میں کوئی پجاری اور محافظ نہ رہا، حضرت ابراہیم علیہ السلام خاموشی سے بت خانہ میں داخل ہوئے، اور ایک ہتھوڑے سے سب بتوں کو توڑ دیا، صرف ایک بڑا بت چھوڑا، اور ہتھوڑا اس کی گردن میں لٹکا دیا، جب ان لوگوں نے واپس آ کر صورت حال دیکھی، حضرت ابراہیم پر شک کیا، تو انہوں نے حضرت ابراہیم سے پوچھا کہ تو نے یہ حرکت کی ہے؟ حضرت ابراہیم نے جواب دیا "بَلْ فَعَلَهٗ کَبِیْرُهُمْ هٰذَا فَاسْئَلُوْهُمْ اِنْ کَانُوْا یَنْطِقُوْنَ" (۱) اسی نے تو کیا ہی ہے، یہ ان سب کا بڑا ہے (قرینہ یہ ہے کہ اسی نے یہ حرکت کی ہوگی) ان بتوں ہی سے پوچھو اگر یہ بول سکتے ہوں، ان لوگوں نے شرمندگی سے سر جھکا کر کہا، اے ابراہیم تجھ کو معلوم ہے کہ یہ بت بول نہیں سکتے۔

اب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کی حماقت اور بطلان ثابت کرنے کا موقع مل گیا، فرمایا تو پھر کیا تم اللہ تعالی کو چھوڑ کر ان چیزوں کو پوجتے ہو جو تم کو نہ نفع پہنچا سکتی ہیں اور نہ نقصان (اور یہ تو بعد کی بات ہے اپنے ہی آپ کو نقصان سے نہیں بچا سکتی) تف ہے تم پر اور ان پر جن کو تم خدا کو چھوڑ کر پوجتے ہو، کیا تم (اتنی بھی بات) نہیں سمجھتے۔ (۲)

اس واقعہ میں بتوں کی بے بسی کو ظاہر کر کے اللہ تعالی کی قدرت کا اظہار کرنا تھا، اور بتوں کے بارے میں بتلانا تھا کہ یہ تو اپنے کو کسی ضرر سے نہیں بچا سکتے، بے جان ہیں تم کو کیا نفع ونقصان پہنچا سکتے ہیں۔

میرا رب وہ ہے جو مارتا اور جلاتا ہے

سورۂ بقرہ میں نمرود کا واقعہ مذکور ہے، نمرود حضرت ابراہیم کے زمانہ کا بادشاہ تھا، جس کو حضرت ابراہیم سے خطرہ محسوس ہوا چونکہ وہ خدائی کا دعوی کرتا تھا، اس نے حضرت ابراہیم کو بلایا اور اپنے رب ہونے کا اقرار کرانا چاہا، حضرت ابراہیم نے فرمایا "رَبِّیَ الَّذِیْ

(۱) سورہ الانبیاء آیت ۶۵۔ (۲) سورہ الانبیاء آیت ۶۷۔

یُحْیٖ وَیُمِیْتُ" میرا رب وہ ہے جو مارتا ہے اور جلاتا ہے "قَالَ اَنَا اُحْیٖ وَاُمِیْتُ" (۱) اس نے کہا کہ میں بھی جلاتا اور مارتا ہوں اور ایک بے قصور شخص کو مار ڈالا، اور مجرم کو رہا کر دیا، اس نے بادشاہ ہونے کی وجہ سے اپنی قوم کی آنکھوں میں دھول ڈالنا چاہی، حضرت ابراہیم نے دوسری دلیل دی، جہاں اس کی بادشاہت کی طاقت کام نہ آ سکی، آپ نے فرمایا "فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِیْ کَفَرَ" (۲) بے شک اللہ تعالی سورج کو مشرق سے طلوع کرتا ہے، تو تو اسے مغرب سے نکال کر دکھا دے (یہ سن کر) وہ کافر حیران رہ گیا، اور وہ سمجھ گیا کہ ابراہیم کا خدا ایسا کر سکتا ہے کہ وہ مغرب سے بھی سورج نکال سکتا ہے، اس لیے وہ خاموش رہا۔

داعی کی اللہ تعالی کیسے حفاظت کرتا ہے

اس کے بعد نمرود نے ناکام ہو کر طاقت آزمائی اور حضرت ابراہیم کو عبرتناک سزا دینے کا فیصلہ کیا اور ایک بڑے میدان میں آگ کا الاؤ جلانے کا حکم دیا، اور بڑی بڑی لکڑیوں کا اس میں انبار لگا کر اس کو شعلہ زار بنایا گیا، پھر حضرت ابراہیم کو منجنیق کے ذریعہ آگ میں پھینک دیا گیا، حضرت ابراہیم نے "حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ" فرمایا "قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْآ اٰلِهَتَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ فٰعِلِیْنَ" (نمرود اور اس کے افسروں نے) کہا ابراہیم کو پھونک ڈالو اور (اس طرح) اپنے دیوتاؤں (کی رسوائی کا بدلہ لے کر ان) کی مدد کرو، اگر تم کر سکتے ہو "قُلْنَا یٰنَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ"۔ (۳)

(اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ) ادھر ہم نے آگ کو حکم دیا کہ اے آگ تو ابراہیم پر ٹھنڈی ہو جا (مگر ایسی ٹھنڈی نہیں کہ جس سے انہیں تکلیف پہنچنے لگے، بلکہ) ایسی ٹھنڈی جس سے ان کو چین اور سلامتی حاصل ہو، آگ کا حضرت ابراہیم پر اثر نہ کرنا، یہ دراصل ایک

(۱) سورہ بقرہ آیت ۲۵۸۔ (۲) سورہ بقرہ آیت ۲۵۸۔ (۳) سورہ انبیاء آیت ۶۸/۶۹۔

معجزہ تھا، اور اللہ تعالی دینی دعوت کا کام کرنے والوں کی ایسے ہی حفاظت کرتا ہے:

آج بھی جو براہیم سا ایمان پیدا
آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا

پاک دامن کی اللہ تعالی کیسے حفاظت کرتا ہے

اس واقعہ کے بعد حضرت ابراہیم نے وطن چھوڑ کر کسی ایسی جگہ جانے کا فیصلہ کیا جہاں وہ امن اور یکسوئی کے ساتھ خداوند تعالی کی عبادت کر سکیں، چنانچہ انہوں نے سرزمین فلسطین کا رخ کیا، اس سفر میں ان کے ساتھ ان کی بیوی حضرت سارہ تھی، یہاں کچھ عرصہ رہ کر وہ مصر کی طرف منتقل ہوگئے، شاہ مصر کو اطلاع ملی کہ یہاں ایک شخص آیا ہے جس کی بیوی بہت خوبصورت ہے، اس نے ان کو بلوایا، اور غلط کاری کا ارادہ کیا، جس میں وہ ناکام رہا، پھر اس نے اپنی غلطی کی معافی چاہی اور بہت سا مال، مویشی، غلام اور باندیاں دے کر احترام کے ساتھ رخصت کیا، اور اپنی ایک نیک سیرت اور پاک باز باندی حضرت ہاجرہ کو بھی حضرت سارہ کے حوالہ کردیا، تاکہ وہ ان کی خدمت گزاری کرے اور تہذیب واخلاق بھی سیکھے، پھر حضرت سارہ نے حضرت ہاجرہ کو اپنے شوہر کے حوالہ کردیا، جنھوں نے ان سے نکاح کرلیا، جن سے حضرت اسماعیل پیدا ہوئے۔

اطمینان قلب کے لیے مشاہدہ

حضرت ابراہیم کی فطرت میں تحقیق وتجسس کا مادہ بے حد تھا، ان کا طبعی مذاق یہ تھا کہ وہ ہر عجیب وغریب واقعہ کی حقیقت اور اصلیت کا تحقیقی علم حاصل کریں، اس لیے سورہ بقرہ میں حضرت ابراہیم کا یہ واقعہ مذکور ہے "وَإِذْ قَالَ اِبْرَاهِيْمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتیٰ، قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ، قَالَ بَلیٰ وَلٰكِنْ لِيَطْمَئِنَّ قَلْبِی، قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِنَ الطَّيْرِ

فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ، ثُمَّ اجْعَلْ عَلَى كُلِّ جَبَلٍ مِنْهُنَّ جُزْءًا، ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِيْنَكَ سَعْيًا، وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ"۔(۱)

اور (یاد کرو اس واقعہ کو) جب ابراہیم نے کہا اے میرے پروردگار! تو مجھے دکھا کہ کس طرح تو مردوں کو زندہ کردے گا (اللہ تعالی نے) فرمایا کہ کیا تم کو یقین نہیں (حضرت ابراہیم نے جواب میں کہا) کیوں نہیں لیکن دلی اطمینان چاہتا ہوں (اللہ تعالی نے) فرمایا کہ چار پرندوں کو لو، پھر ان کو اپنے ساتھ مانوس کرو، پھر (مختلف پہاڑوں میں سے) ہر ہر پہاڑ پر (ان کے ٹکڑے کرکے) ایک ایک ٹکڑا رکھ دو، پھر ان کو پکارو، وہ تمہارے پاس دوڑتے ہوئے آئیں گے، اور جان لو کہ اللہ تعالی قدرت والا ہے، اور حکمت والا ہے، چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہی کیا، اور وہ پرندے اپنے اپنے جسموں کے ساتھ حضرت ابراہیم کی آواز پر دوڑتے ہوئے چلے آئے، گویا حضرت ابراہیم کا ایمان مشاہدہ میں بدل گیا، اور یقین واطمینان سے معائنہ ومشاہدہ کا درجہ حاصل کرلیا یہی حضرت ابراہیم کی خواہش تھی کہ ان کے درجہ ایمان میں ترقی ہو، چونکہ یہ واقعہ عجیب وغریب تھا اور اس میں بڑی حکمت ومصلحت پوشیدہ تھی، اس لیے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالی صاحب قوت وقدرت ہے اور اس کے ہر کام میں مصلحتیں اور حکمتیں ہوتی ہیں۔

بیوی بچہ کی قربانی

حضرت اسماعیل جب چھوٹے ہی تھے تو حضرت ابراہیم اور ان کی بیوی حضرت ہاجرہ کا ایک سخت امتحان لیا گیا، حکم الٰہی ہوا کہ حضرت ہاجرہ کو ان کے معصوم بچہ کے ساتھ حجاز کے بنجر اور غیر آباد علاقہ میں اس مقام پر جو یمن سے شام جانے والی شاہ راہ پر پڑتا تھا، اور جہاں اللہ تعالی کے اس مقدس گھر کے مٹے مٹائے نشان تھے، جسے حضرت آدم علیہ السلام

(۱) سورۂ بقرہ آیت ۳۵۔

نے خدا کے حکم سے اس کی عبادت کے لیے تعمیر کیا تھا، چھوڑ آئیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بلا پس وپیش اس حکم کی تعمیل کی اور وادی غیر ذی زرع میں ان کو چھوڑ دیا، سورۂ ابراہیم میں ہے: ”رَبَّنَآ اِنِّیٓ اَسۡکَنۡتُ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ بِوَادٍ غَیۡرِ ذِیۡ زَرۡعٍ عِنۡدَ بَیۡتِكَ الۡمُحَرَّمِ، رَبَّنَا لِیُقِیۡمُوا الصَّلَاةَ، فَاجۡعَلۡ اَفۡئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهۡوِیۡ اِلَیۡهِمۡ، وَارۡزُقۡهُمۡ مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمۡ یَشۡکُرُوۡنَ“۔(۱)

اے ہمارے پروردگار میں نے اپنی اولاد کو ایک چٹیل میدان میں جہاں کھیتی نہیں ہے، تیرے (پرانے) مقدس گھر (بیت اللہ) کے پاس لا بسایا ہے، اے پروردگار مقصد یہ ہے کہ وہ یہاں (اس مقام کو) مرکز بنا کر نماز قائم کریں (اور تمام دنیا میں عبادت واطاعت خداوندی کا ڈنکہ بجائیں) لہٰذا تو کچھ لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کردے (کہ وہ ان کی بات سنیں) اور ان کو (کھانے پینے کی تمام چیزوں کے علاوہ مختلف) پھل بھی عطا کرتا کہ وہ تیرا شکر ادا کریں، حضرت ابراہیم کا مقصد اس غیر آباد علاقہ میں اپنے خاندان کو آباد کرنے سے صرف یہ تھا کہ اس جگہ کو مرکز بنا کر ساری دنیا میں اطاعت خداوندی کا پیغام پہنچایا جائے، چنانچہ اسی بنا پر یہاں حج کا فریضہ ادا کرنے کا حکم دیا گیا، اس واقعہ میں دین کے لیے خاندان کی قربانی کی یہ عجیب مثال ہے۔

اکلوتے بیٹے کی قربانی

اس آزمائش کے بعد قرآن کریم میں ایک آزمائش اور منقول ہے، کہ حضرت ابراہیم کو خواب میں حکم ملا کہ اپنے اکلوتے فرزند کو ہمارے راستے میں قربان کردو، چنانچہ حضرت ابراہیم شام سے چل کر مکہ معظمہ آئے اور بچہ کو بنا سنوار کر اپنے ساتھ جنگل میں لے گئے، پھر بچہ کا امتحان لینے کے لیے ان سے کہا: ”یٰبُنَیَّ اِنِّیۡٓ اَرٰی فِی الۡمَنَامِ اَنِّیۡٓ اَذۡبَحُكَ

(۱) سورۂ ابراہیم آیت ۳۷۔

فَانۡظُرۡ مَاذَا تَرٰی“ اے بیٹے! میں خواب میں دیکھ رہا ہوں کہ تجھے ذبح کرتا ہوں، تو تو بھی سوچ سمجھ کر بتا تیری رائے کیا ہے؟ حضرت اسماعیلؑ نے بے جھجک جواب دیا ”یٰۤاَبَتِ افۡعَلۡ مَا تُؤۡمَرُ سَتَجِدُنِیۡۤ اِنۡ شَاءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیۡنَ“ اے ابا جان! تم کو خدا کی طرف سے جو حکم دیا جارہا ہے، اسے کر گزرو (میرا خیال نہ کرو) اگر اللہ نے چاہا تو تم مجھ کو صبر کرنے والوں میں پاؤ گے (تم جلد ہی دیکھ لو گے کہ میں اس امتحان میں کس طرح صبر وتحمل کے ساتھ پورا اترتا ہوں) ”فَلَمَّآ اَسۡلَمَا وَتَلَّهٗ لِلۡجَبِیۡنِ، وَنَادَیۡنٰهُ اَنۡ یّٰۤاِبۡرٰهِیۡمُ، قَدۡ صَدَّقۡتَ الرُّؤۡیَا، اِنَّا کَذٰلِكَ نَجۡزِی الۡمُحۡسِنِیۡنَ“ پھر جب (باپ بیٹے) دونوں نے خدا کے حکم کی تعمیل میں سر جھکا دیا اور ہم نے ان کو پکار کر کہا اے ابراہیم! تو نے خواب کو سچ کر دکھایا (اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں) ہم نیکوکاروں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں، اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک دنبہ قربانی کا آیا اور وہ ذبح کیا گیا: ”وَفَدَیۡنٰهُ بِذِبۡحٍ عَظِیۡمٍ“ اور ہم نے ایک بڑی قربانی کو اس کا فدیہ بنایا ”وَتَرَکۡنَاهُ فِی الۡاٰخِرِیۡنَ سَلٰمٌ عَلٰۤی اِبۡرٰهِیۡمَ کَذٰلِكَ نَجۡزِی الۡمُحۡسِنِیۡنَ“۔(۱)

اور اس رسم کو پچھلے لوگوں میں باقی رکھا، سلام ہو ابراہیم پر، ہم یونہی بدلہ دیتے ہیں نیکوکاروں کو، اب یہ سنت بن گئی اور قیامت تک کے لیے یہ سنت ابراہیمی امت محمدیہ پر ضروری قرار دی گئی۔

بیت اللہ کی تعمیر

کچھ مدت بعد حضرت ابراہیم کو اللہ کا حکم ہوا، کہ وہ خدا کے مقدس گھر کی تعمیر کریں، جسے حضرت آدم علیہ السلام نے خدائے واحد کے لیے تعمیر کیا تھا، اب صرف اس کے نشانات باقی تھے، چنانچہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل دونوں نے مل کر بیت اللہ کی تعمیر پرانے

(۱) سورۂ صافات ۱۰۲/۱۱۰۔

کھنڈوں کے نشانات پر شروع کی، نئے سرے سے بنیادیں کھودیں، حضرت اسماعیل علیہ السلام پتھر اٹھا کر لاتے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام ردّے رکھتے جاتے اور دونوں دعا کرتے جاتے ”وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرَاهِيْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمَاعِيْلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ، رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا اُمَّةً مُسْلِمَةً لَكَ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ“۔(۱)

اور (اس وقت کا تصور کرو) جب ابراہیم اوران کے ساتھ اسماعیل بیت اللہ کی بنیادیں (پرانے نشانات پر نئے سرے سے) بلند کررہے تھے (اوراللہ تعالی سے دعا مانگ رہے تھے) اے ہمارے پروردگار (ہماری اس خدمت کو) قبول فرما، بے شک تو دعا کا سننے والا ہے، اور دل کی حالت کو جاننے والا ہے، اے ہمارے پروردگار! تو ہم کو اپنا فرمانبردار بنائے رکھ، اور ہم دونوں کی اولاد میں ایک اپنی فرمانبردار امت پیدا کر اور ہم کو ہماری عبادت کے صحیح ڈھنگ (خصوصاً حج کے شعائر اور آداب) سکھا (اور اگر ان پر عمل کرنے میں کوئی کوتاہی ہو) تو ہم کو معاف کر، بے شک تو بڑا رحمت کے ساتھ متوجہ ہونے والا ہے، اور رحم کرنے والا ہے، چنانچہ بیت اللہ کی طرف آج پوری امت مسلمہ رخ کر کے نماز پڑھتی ہے، پوری دنیا سے بیت اللہ کے حج وزیارت کے لیے لوگ سفر کر کے جاتے ہیں، اور یہ اس دعا کی برکت سے امت محمد یہ مسلمہ کے لوگ ہیں جو ابراہیم واسماعیل دونوں کی مشترکہ (جسمانی اور روحانی) اولادیں ہیں۔

نبی آخر الزماں کی بعثت کی دعا

اس کے بعد دعا فرمائی ”رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ، يَتْلُوْ عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ، وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ، اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ“۔(۲)

(۱) سورۂ بقرہ آیت ۱۲۷/۱۲۸۔ (۲) سورہ بقرہ آیت ۱۲۹۔

اور اے ہمارے پروردگار! اس امت مسلمہ میں ایک رسول انہی میں سے بھیج جوان کو تیری آیتیں پڑھ کر سنائے اوران کو (تیری) کتاب اوراس کے اسرار کی تعلیم دے، اوران کو (اپنی صحبت میں رکھ کر برائیوں سے) پاک وصاف کرے، بے شک تو عزت والا اورحکمت والا ہے، یہ دعا خاتم الانبیاء سید المرسلین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے متعلق ہے؛ کیونکہ مذکورہ بالا امت مسلمہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی اور نبی پیدا نہیں ہوا جو اس دعا کا مصداق ہو۔

حضرت اسحٰق کی ولادت کی خوشخبری

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے بیٹے حضرت اسحاق ہیں، جو حضرت سارہ کے بطن سے حضرت اسماعیل کی پیدائش کے ۱۴/سال بعد پیدا ہوئے، حضرت اسحاق کی پیدائش کی بشارت فرشتوں نے اس وقت دی جب حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب کیلئے آئے تھے، پہلے وہ حضرت ابراہیم کے ہاں پہنچے، انہوں نے حضرت سارہ کو حضرت اسحاق کی پیدائش کی بشارت دی، حضرت سارہ نے تعجب اور مسرت کے ساتھ کہا کہ اب میرے اولاد ہوگی؟ جب کہ میں بوڑھی ہوچکی ہوں، اور بانجھ بھی ہوں، اور میرے شوہر بھی بوڑھے کھوسٹ ہوچکے ہیں۔

حضرت ابراہیم کو فرشتوں نے سلام کیا، انہوں نے ان کی میزبانی کے لیے بچھڑا بھنوایا، جب انہوں نے نہ کھایا تو گھبرائے، تو انہوں نے کہا کہ گھبراؤ نہیں ہم فرشتے ہیں۔

میزبانی کے آداب

اس واقعہ سے میزبانی کے کچھ آداب معلوم ہوتے ہیں، جو شخص کسی کے پاس جائے اسے سلام کرنا چاہئے، آنے والے سے اگر پہلے سے جان پہچان نہ ہو تو اس سے واقفیت حاصل کی جائے، حضرت ابراہیم نے فرمایا قوم منکروں، آپ کو نہیں پہچانتا، آپ

اپنا تعارف کرائیں، مہمان کی خاطر داری کے لیے گھر کے سب متعلقین کو مستعد رہنا چاہئے اور اپنی اپنی ذمہ داری کو محسوس کرنا چاہئے، حضرت ابراہیم کی بیوی حضرت سارہ بھی مہمانداری کے لیے تیار کھڑی تھی، گھر میں جو بہترین چیز ہو، اسے خوش دلی کے ساتھ مہمان کے سامنے پیش کرنا چاہئے، حضرت ابراہیم نے فوراً بھنا ہوا گائے کا بچھڑا جو گھر میں سب سے بہتر چیز تھی مہمانوں کے سامنے پیش کردیا، مہمان کو بھی میزبان اور اس کے گھر والوں کو خوش کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، اگر کوئی تحفہ پیش نہ کرسکے تو ایسی باتیں ہی کرے جس سے میزبان اور اس کے گھر والوں کا دل خوش ہو جائے، یہ موضوع بہت تفصیلی اور طویل ہے کیونکہ حضرت ابراہیم کی پوری زندگی مجاہدوں اور قربانیوں سے بھری پڑی ہے، قرآن کریم میں جس قدر واقعات مذکور ہیں ان میں سے چند واقعات کو اجمالی طور پر ذکر کیا گیا ہے، اور بتلایا گیا ہے کہ قرآن کریم اس واقعہ سے کیا ہدایت پیش کرتا ہے، اللہ تعالیٰ ان واقعات سے سبق حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

احادیث نبویہ میں
نسوانی احساسات وجذبات کی جھلکیاں☆

حدیث انسانی ادب کا بہترین شاہکار

حدیث نبوی جو انسانی ادب کا بہترین شاہکار اور اعلیٰ نمونہ ہے، اس میں زندگی کے ہر شعبہ سے متعلق ہدایات وتعلیمات واقعات اور قصص موجود ہیں، صنف نازک کے نسوانی جذبات کے متعلق بھی احادیث میں نمونے پائے جاتے ہیں، اور اس صنف کو حدیث میں قواریر (آبگینوں) سے تعبیر کیا گیا ہے، جس سے ان کی طبعی نزاکت کی طرف بھی اشارہ ملتا ہے، پھر اس صنف کی طبیعت اور میلان میں جو فکر وانداز گردش کرتا ہے، اس کی بھی عکاسی پائی جاتی ہے، راقم نے اپنے اس مضمون کو ۲/حدیثوں کی روشنی میں مرتب کیا ہے، پہلی حدیث تو ام زرع کی ہے، جس میں نسوانی جذبات واحساسات کی بھرپور اور مکمل عکاسی ہے، اور دوسری حدیث جریج کی ہے، جس میں گود میں تین بچوں کے کلام کرنے کا ذکر ہے، اس میں بھی کسی نہ کسی حیثیت سے نسوانی جذبات کی ہلکی سی جھلک نظر آتی ہے، دوسرے ان احادیث میں ادب اعلیٰ کا جو نمونہ ہے وہ اصل عربی زبان میں ہی پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے، اور عربی ہی میں اس کی صحیح حلاوت، لذت اور ادب کی چاشنی محسوس کی جاسکتی ہے، کیونکہ اردو میں اس کی ترجمانی سو فیصد اور کما حقہ نہیں ہوسکتی۔

حدیث ام زرع

امام ترمذیؒ نے شمائل ترمذی میں ایک باب قائم فرمایا ہے "بَابُ مَا جَاءَ فِي كَلَامِ

☆ یہ مضمون رابطہ ادب اسلامی کے اجلاس مذاکرہ علمی بعنوان "ادب نبوی کا تربیتی پہلو" منعقدہ المعہد الاسلامی مانک مئو، سہارنپور بتاریخ ۷/۸/اپریل ۲۰۱۲ء کے لئے لکھا گیا تھا۔

رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي السَّمَرِ" یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جو قصے اور کہانیاں نقل فرمائی، امام ترمذی نے اس باب میں ایک حدیث نقل فرمائی ہے جس کو حدیث ام زرع کہتے ہیں، اس کا قصہ طویل بھی ہے اور مشہور بھی، اس پر مستقل تصانیف بھی کی گئی ہیں، امام ترمذی نے بھی اس کو تفصیل سے نقل کیا ہے۔

گیارہ عورتوں کی باتیں

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ گیارہ عوتیں یہ معاہدہ کر کے بیٹھیں کہ ہر ایک اپنے اپنے شوہر کا پورا پورا حال بیان کردیں، کچھ چھپائیں نہیں، یہ عورتیں یمنی تھیں یا حجازی، ان کے شوہر اپنی ضروریات کے لیے دوسری جگہوں پر گئے ہوئے تھے، یہ خالی تھیں، اس لئے دل بہلانے کو انہوں نے باتیں شروع کیں۔

میرا شوہر ناکارہ ہے

ایک عورت ان میں سے بولی کہ میرا شوہر ناکارہ، دبلے اونٹ کے گوشت کی طرح ہے (گویا بالکل گوشت کا ایک ٹکڑا ہے، جس میں زندگی باقی ہی نہیں رہی اور گوشت بھی اونٹ کا جو زیادہ مرغوب بھی نہیں ہوتا) اور گوشت بھی سخت دشوار گزار پہاڑ کی چوٹی پر رکھا ہو کہ نہ پہاڑ کا راستہ سہل ہے، جس کی وجہ سے وہاں چڑھنا ممکن ہو اور نہ وہ گوشت ایسا ہے کہ اس کی وجہ سے سو دقت اٹھا کر اس کے اتارنے کی کوشش کی ہی جائے، اور اس کو اختیار کیا ہی جائے۔

میرا شوہر مجسمہ عیوب ہے

دوسری عورت بولی (کہ میں اپنے شوہر کی بات کہوں تو کیا کہوں؟ اس کے متعلق کچھ

کہہ نہیں سکتی) مجھے یہ ڈر ہے کہ اگر اس کے عیوب شروع کروں تو پھر خاتمہ کا ذکر نہیں، اگر کہوں تو ظاہری اور باطنی عیوب سب ہی کہوں، یعنی وہ مجسمہ عیوب ہے، اس کے عیوب شمار سے باہر ہیں۔

میرا شوہر لمبے قد کا ہے

تیسری عورت نے کہا کہ میرا شوہر لمڈھینگ ہے یعنی بہت زیادہ لمبے قد کا آدمی ہے، اگر میں کبھی کسی بات میں بول پڑوں تو فوراً طلاق، اگر چپ رہوں تو اُدھر میں لٹکی رہوں۔

میرا شوہر معتدل مزاج ہے

چوتھی عورت نے کہا کہ میرا شوہر تہامہ کی رات کی طرح معتدل مزاج ہے، نہ گرم ہے، نہ ٹھنڈا، نہ اس سے کسی قسم کا خوف ہے نہ ملال۔

میرا شوہر گھر میں چیتا بنجاتا ہے

پانچویں عورت نے کہا کہ میرا شوہر جب گھر میں آتا ہے تو چیتا بن جاتا ہے اور جب باہر جاتا ہے تو شیر بن جاتا ہے اور جو کچھ گھر میں ہوتا ہے اس کی تحقیقات نہیں کرتا (اس میں شوہر کی مذمت بھی ہوسکتی ہے، اور تعریف بھی، لیکن بظاہر تعریف ہی معلوم ہوتی ہے)۔

میرا شوہر سب نمٹا دیتا ہے

چھٹی عورت بولی کہ میرا شوہر جب کھاتا ہے، تو سب نمٹا دیتا ہے اور جب پیتا ہے تو سب چڑھا جاتا ہے، جب لیٹتا ہے تو اکیلا ہی کپڑے میں لپٹ جاتا ہے، میری طرف ہاتھ بھی نہیں بڑھاتا، جس سے میری پراگندگی معلوم ہوسکے (اس میں بھی دونوں پہلو ہیں، مگر

مذمت زیادہ ظاہر ہے)۔

میرا شوہر صحبت سے عاجز ہے

ساتویں عورت نے کہا کہ میرا شوہر صحبت سے عاجز نامرد اور اتنا بے وقوف کہ بات بھی نہیں کرسکتا، دنیا میں جو کوئی بیماری کسی میں ہوگی وہ اس میں موجود ہے، اخلاق ایسے کہ میرا سر پھوڑ دے یا بدن زخمی کردے، یا دونوں ہی کر گزرے۔

میرا شوہر خوشبو میں زعفران ہے

آٹھویں عورت نے کہا کہ میرا شوہر چھونے میں خرگوش کی طرح نرم ہے، اور خوشبو میں زعفران کی طرح مہکتا ہوا ہے۔

میرا شوہر اونچے مکان والا ہے

نویں عورت نے کہا کہ میرا شوہر رفیع الشان بڑا مہمان نواز، اونچے مکان والا، بڑی راکھ والا، دراز قد والا ہے، اس کا مکان مجلس اور دار المشورہ کے قریب ہے۔

میرا شوہر قابل تعریف ہے

دسویں عورت نے کہا کہ میرا شوہر مالک ہے، مالک کا کیا حال بیان کروں، وہ ان سب سے جواب تک کسی نے تعریف کی ہے یا ان سب تعریفوں سے جو میں بیان کروں گی، بہت ہی زیادہ قابل تعریف ہے، اس کے اونٹ بکثرت ہیں جو اکثر مکان کے قریب بٹھائے جاتے ہیں، چراگاہ میں چرنے کے لیے کم جاتے ہیں، وہ اونٹ جب باجہ کی آواز سنتے ہیں تو سمجھ لیتے ہیں کہ اب ہلاکت کا وقت آ گیا، اس نے اپنے شوہر کی سخاوت

ومہمان نوازی کی تعریف کی۔

ام زرع کی کہانی

گیارہویں عورت (ام زرعہ) نے کہا کہ میرا شوہر ابوزرعہ تھا، ابوزرع کی کیا تعریف کروں، زیوروں سے میرے کان جھکا دیئے اور (کھلا کھلا کر) چربی سے میرے بازو پر کردئے، مجھے ایسا خوش وخرم رکھا کہ میں خود پسندی اور عجب میں اپنے آپ کو بھلی لگنے لگی، مجھے اس نے ایک ایسے غریب گھرانہ میں پایا تھا جو بڑی تنگی کے ساتھ چند بکریوں پر گزر کرتے تھے اور وہاں سے ایسے خوش حال خاندان میں لے آیا تھا، جن کے یہاں گھوڑے، اونٹ، کھیتی کے بیل اور کسان (ہر قسم کی ثروت موجود تھی، ان سب کے علاوہ اس کی خوش خلقی کہ) میری کسی بات پر بھی مجھے برا نہیں کہتا تھا، میں دن چڑھے تک سوتی رہتی تو کوئی جگا نہیں سکتا تھا، کھانے پینے میں ایسی ہی وسعت کہ میں سیر ہو کر چھوڑ دیتی تھی (اور ختم نہ ہوتا تھا) ابوزرع کی ماں (میری خوش دامن) بھلا اس کی کیا تعریف کروں، اس کے بڑے بڑے برتن ہمیشہ بھرپور رہتے تھے، اس کا مکان نہایت وسیع تھا (یعنی مالدار بھی تھی اور عورتوں کی عادت کے موافق بخیل بھی نہیں تھی، اس لیے کہ مکان کی وسعت سے مہمانوں کی کثرت مراد لی جاتی ہے) ابوزرع کا بیٹا بھلا اس کا کیا کہنا وہ بھی نور علی نور ایسا پتلا دُبلا چھریرے بدن کا کہ اس کے سونے کا حصہ (یعنی پسلی وغیرہ) ستی ہوئی ٹہنی یا ستی ہوئی تلوار کی طرح سے باریک، بکری کے بچہ کا ایک دست اس کے پیٹ بھرنے کے لیے کافی، یعنی بہادر کے سونے کے لیے لمبے چوڑے انتظامات کی ضرورت نہ تھی، سپاہیانہ زندگی ذرا سی جگہ میں تھوڑا بہت لیٹ لیا، اسی طرح کھانے میں بھی مختصر مگر بہادری کے مناسب گوشت کے دو چار ٹکڑے اس کی غذا تھی، ابوزرع کی بیٹی بھلا اس کی کیا بات، ماں کی تابعدار، باپ کی فرماں بردار، موٹی تازی سوکن کی جلن تھی (یعنی سوکن کو اس کے

کمالات سے جلن پیدا ہو،عرب میں مرد کے لیے چھریرا ہونا اورعورت کے لیے موٹی تازی ہونا ممدوح شمار کیا جاتا ہے)ابوزرع کی باندی کا بھی کمال کیا بتاؤں، ہمارے گھر کی بات کبھی بھی باہر جا کر نہ کہتی تھی، کھانے تک کی چیز بھی بے اجازت خرچ نہیں کرتی تھی، گھر میں کوڑا کباڑ نہیں ہونے دیتی تھی، مکان کو صاف وشفاف رکھتی تھی، ہماری یہ حالت تھی کہ مزے سے دن گزر رہے تھے کہ ایک دن صبح کے وقت جب کہ دودھ کے برتن بلوئے جارہے تھے، ابوزرع گھر سے نکلا، راستہ میں ایک عورت پڑی ہوئی ملی جس کی کمر کے نیچے چیتے جیسے دو بچے اناروں سے کھیل رہے تھے (چیتے کے ساتھ تشبیہ کھیل کود میں ہے اور اناروں سے یا تو حقیقتاً انار مراد ہیں کہ ان کو رڑکا کر کھیل رہے تھے، یا دو اناروں سے اس عورت کے دونوں پستان مراد ہیں) تو وہ کچھ ایسی پسند آئی کہ مجھے طلاق دیدی اور اس سے نکاح کرلیا (طلاق اس لئے دی کہ سوکن ہونے کی وجہ سے اس کو رنج نہ ہو اور اس کی وجہ سے مجھے طلاق دیدینے سے اس کے دل میں ابوزرع کی وقعت ہوجائے) ایک روایت میں ہے کہ اس سے نکاح کرلیا، نکاح کے بعد وہ مجھے طلاق دینے پر اصرار کرتی رہی، آخر مجھے طلاق دیدی، اس کے بعد میں نے ایک اور سردار شریف آدمی سے نکاح کرلیا جو شہسوار ہے اور سپہ گر ہے، اس نے مجھے بڑی نعمتیں دیں اور ہر قسم کے جانور اونٹ گائے بکری وغیرہ ہر چیز میں سے ایک ایک جوڑا مجھے دیا اور یہ بھی کہا کہ ام زرع خود بھی کھا اور اپنے میکہ میں جو چاہے بھیج دے، لیکن بات یہ ہے کہ اگر میں اس کی ساری عطاؤں کو جمع کروں تب بھی ابوزرع کی چھوٹی سے چھوٹی عطا کے برابر نہیں ہوسکتی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ قصہ سنا کر مجھ سے یہ ارشاد فرمایا کہ میں بھی تیرے لئے ایسا ہی ہوں جیسا کہ ابوزرع ام زرع کے واسطے (اس کے بعد اور احادیث میں یہ بھی آتا ہے کہ مگر میں تجھے طلاق نہیں دوں گا، طبرانی کی روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ نے اس پر فرمایا کہ حضرت ابوزرع کی کیا حقیقت، میرے ماں باپ

آپ پر قربان، آپ میرے لئے اس سے زیادہ بڑھ کر ہیں)۔

جریج کا واقعہ

امام مسلم نے اپنی صحیح کی ”کتاب البر والصلۃ والاداب“ میں جریج کا واقعہ نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جھولے میں (یعنی گود میں تین لڑکوں کے سوا کوئی نہیں بولا، ایک تو عیسی علی نبینا وعلیہ السلام (جن کا قصہ قرآن کریم میں منقول ہے) دوسرے جریج کا ساتھی، اور جریج کا قصہ یہ ہے کہ وہ ایک عابد شخص تھا، اس نے ایک عبادت خانہ بنایا، اسی میں رہتا تھا، اس کی ماں آئی، وہ نماز پڑھ رہا تھا، ماں نے پکارا او جریج، وہ (اپنے دل میں) بولا اے رب میری ماں پکارتی ہے، اور میں نماز میں ہوں، آخر وہ نماز ہی میں رہا، اس کی ماں چلی گئی، پھر جب دوسرا دن ہوا، پھر آئی اور پکارا او جریج! وہ بولا یا اللہ میری ماں پکارتی ہے اور میں نماز میں ہوں، آخر وہ نماز ہی میں رہا، اس کی ماں بولی یا اللہ! اس کو جب تک موت نہ دینا جب تک کہ یہ چھنال عورتوں کا منہ نہ دیکھ لے، پھر بنی اسرائیل نے جریج کا اور اس کی عبادت کا چرچا شروع کیا، ادھر بنی اسرائیل میں ایک بدکار عورت تھی، جس کی خوبصورتی سے مثال دی جاتی تھی، وہ بولی اگر تم کہو تو میں جریج کو ابتلا میں ڈالدوں، پھر وہ عورت جریج کے سامنے گئی؛ لیکن جریج نے اس کی طرف خیال بھی نہ کیا، آخر وہ ایک چرواہے کے پاس آئی جو جریج کے عبادت خانہ کے پاس ٹھہرا کرتا تھا اور اس کو اپنے سے صحبت کرنے کی اجازت دی، اس نے صحبت کی، وہ پیٹ سے ہوگئی، جب بچہ پیدا ہوا تو وہ بولی کہ یہ بچہ جریج کا ہے، لوگ یہ سنکر جریج کے پاس آئے اور اس سے کہا (عبادت خانہ سے نیچے) اترو اور اس کا عبادت خانہ گرادیا اور اس کو مارنے لگے، وہ بولا تم کو کیا ہوا، انہوں نے کہا تو نے اس بدکار عورت سے زنا کیا، وہ تجھ سے ایک بچہ بھی جنی

ہے، جریج نے کہا وہ بچہ کہاں ہے، لوگ اس کو لائے، جریج نے کہا ذرا مجھ کو چھوڑو تا کہ میں نماز پڑھ لوں، چنانچہ اس نے نماز پڑھی اور پھر اس بچہ کے پاس آیا اور اس کے پیٹ کو ایک ٹھونسا دیا اور بولا اے بچے تیرا باپ کون ہے؟ وہ بولا فلانا چرواہا ہے، یہ سن کر لوگ جریج کی طرف دوڑے اور اس کو چومنے چاٹنے لگے اور کہنے لگے تیرا عبادت خانہ ہم سونے سے بنائے دیتے ہیں، وہ بولا نہیں نہیں، مٹی سے بنا دو، پھر جیسا تھا لوگوں نے ویسا ہی بنا دیا۔

گود میں بولنے والے تیسرے بچہ کا واقعہ

تیسرا ایک وہ بچہ تھا جو اپنی ماں کا دودھ پی رہا تھا، اتنے میں ایک سوار ستھری پوشاک اور عمدہ جانور پر نکلا، اس کی ماں نے کہا یا اللہ میرے بیٹے کو ایسا کرنا، بچہ نے یہ سن کر چھاتی چھوڑ دی اور اس سوار کی طرف دیکھا اور کہا یا اللہ مجھ کو ایسا نہ کرنا، پھر چھاتی کی طرف جھکا اور دودھ پینے لگا، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا گویا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ رہا ہوں کہ حضور اس بچہ کے دودھ پینے کی نقل کرتے تھے، اس طرح پر کہ کلمہ کی انگلی اپنے منھ میں ڈال کر چوستے تھے، حضور نے فرمایا پھر لوگ ایک لونڈی کو لے کر نکلے جس کو مارتے جاتے تھے، اور کہتے تھے تو نے زنا کرایا اور چوری کی، وہ کہتی تھی اللہ مجھے کافی ہے اور وہی میرا وکیل ہے، بچہ کی ماں بولی، یا اللہ میرے بچہ کو اس لونڈی کی طرح نہ کیجئے، یہ سن کر بچہ نے دودھ پینا چھوڑ دیا اور اس لونڈی کی طرف دیکھا اور کہنے لگا کہ یا اللہ مجھے اس لونڈی کی طرح بنا دیجئے، اس وقت ماں اور بیٹے میں گفتگو ہوئی، ماں نے کہا او سر منڈے! جب ایک شخص اچھی صورت کا نکلا اور میں نے کہا یا اللہ میرے بیٹے کو ایسا کرنا تو تو نے کہا یا اللہ مجھ کو ایسا نہ کرنا، اور اس لونڈی کو لوگ مارتے جاتے ہیں اور کہتے جاتے ہیں تو نے زنا کیا اور چوری کی، تو میں نے کہا یا اللہ میرے بچہ کو اس کی طرح نہ کرنا، تو کہتا ہے یا اللہ مجھ کو اس کی طرح کرنا (یہ کیا بات ہے) بچہ بولا وہ سوار ایک ظالم شخص تھا، میں نے دعا کی یا اللہ

مجھ کو اس کی طرح نہ کرنا اور اس لونڈی پر لوگ تہمت کرتے ہیں کہتے ہیں تو نے زنا کیا اور چوری کی، حالانکہ نہ اس نے نہ زنا کیا ہے، نہ چوری کی ہے، تو میں نے کہا یا اللہ مجھ کو اس کے مثل کرنا، اس حدیث میں تینوں بچوں کے واقعات میں عورتوں کے کچھ نہ کچھ جذبات محسوس ہوتے ہیں۔

حدیث کے فوائد

ویسے امام نوویؒ نے اس حدیث سے کئی فائدے پیش کئے، ایک تو والدین کے ساتھ نیکی کرنے کی فضیلت، دوسرے ماں کے حق کی تاکید، تیسرے یہ کہ ماں جب بلائے تو جواب دینا چاہئے، چوتھے یہ کہ جب دو امر جمع ہوں تو ضروری کو پہلے کرنا چاہئے، پانچویں یہ کہ مصیبت کے وقت اللہ تعالی اپنے دوستوں کے لئے راہ نکال دیتا ہے اور دعا کے وقت نماز پڑھنا اور نماز سے پہلے وضو کرنا مستحب ہے، اور وضو ہم سے پہلی امتوں میں بھی تھا، اور کرامات اولیاء حق ہے، اہل سنت کا یہی مذہب ہے۔

اکبرالہ آبادی کے کلام میں طنز ومزاح کے عناصر☆

اکبر قادرالکلامی میں بے مثال تھے

مولانا حالی، علامہ اقبال اور اکبرالہ آبادی اردو کے وہ شاعر ہیں جنہوں نے اپنی شاعری کے ذریعہ قوم وملت کوراہ ہدایت دکھائی، ذہنی استعداد، بصیرت اور تخلیقیت کی بناپر ان تینوں کی شاعری کا نقطہ نظر اور رنگ وآہنگ الگ الگ ہے؛ لیکن اس میں شک نہیں کہ تینوں نے ملک کے سماجی اور معاشرتی مسائل کو اپنا موضوع بنایا اور فن کے تقاضوں کا احترام کرتے ہوئے تینوں کا مطمح نظر معاشرے کی اصلاح اور فلاح تھا، اکبر ایک اونچے درجے کے شاعر، ایک ہمدردِقوم اور باشعور انسان تھے، ان کے کلام میں طنز ومزاح کے جو عناصر پائے جاتے ہیں، ان سے وہ اصلاح احوال کی کامیاب کوشش کرتے ہیں، اور باتوں باتوں میں بڑے پتے کی اور گرکی باتیں کرجاتے ہیں، اکبر نے اپنی شاعری سے لوگوں کے دلوں میں ایک نئی روح پھونک دی تھی، ان کا بے نظیر تخیل اور نرالا اسلوب وانداز بہت سیدھا سادھا اور پرکشش تھا، وہ قادرالکلامی میں اپنی مثال آپ تھے، ان کی زبان ولہجہ سب یکساں تھا، وہ جو زبان چاہتے استعمال کرلیتے، جو لہجہ جی میں آتا اختیار کرلیتے، چاہے وہ عوام کی زبان ہو، مولویوں کی زبان ہو، صوفیوں کی زبان ہو، شاعری کی زبان ہو، سب پر ان کو یکساں طور پر مہارت تھی اور وہ زندگی کے مسائل کو رومانی انداز میں بیان کرنے کا بہت اچھا ہنر جانتے تھے۔

☆ یہ مضمون رابطہ ادب اسلامی کے اجلاس بعنوان ''لسان العصر اکبرالہ آبادی اور ان کے معاصر شعراء'' یکم اکتوبر ۲۰۱۱ء منعقدہ مدرسہ دینیہ غازی پور کے لئے لکھا گیا تھا۔

اکبر کی ابتدائی تعلیم وتربیت

اکبر بچپن ہی سے طباع اور ذہین تھے، پڑھنے لکھنے میں بہت دلچسپی لیتے تھے، ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی، ان کے والد خود ان کو پڑھاتے تھے، علم ریاضی سے ان کو بہت دلچسپی تھی، جب سات آٹھ سال کے ہوئے تو الہ آباد آنے کے بعد مکتب میں داخل ہوئے، گھر پر مولوی بھی پڑھانے آتے تھے، بیٹے کی ذہانت اور شوق دیکھ کر ان کے والد نے ان کو جمنا مشن اسکول میں ۱۸۵۶ء میں داخل کرادیا، لیکن بدقسمتی سے ایک ہی سال بعد ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ ہوا، اور ان کی باقاعدہ تعلیم کا سلسلہ منقطع ہوگیا، گھر کے مالی حالات اچھے نہ تھے، اس لئے آگے کی تعلیم کا خیال چھوڑ کر اکبر نوکری کی تلاش میں مصروف ہوگئے۔

اکبر کو انگریزوں کی تہذیب سے دلی نفرت تھے

اکبرالہ آبادی کی تعلیم بنیادی طور پر مذہبی تھی، ان کی طبیعت شروع ہی سے تصوف کی طرف مائل تھی، اور یہ ذوق انہیں اپنے باپ دادا سے ورثہ میں ملا تھا، انہیں اپنے ملک، اپنی تہذیب، اخلاقی قدروں اور روایات سے شدید جذباتی لگاؤ تھا، نوکری کے سلسلہ میں انہیں انگریز حکام سے براہ راست سابقہ پڑا تھا، وہ خود بھی ان کے حقارت آمیز برتاؤ کا نشانہ بنے تھے، اور اپنے ہم وطنوں کے ساتھ بھی انہوں نے ایسا سلوک ہوتے دیکھا تھا، اس لیے انہیں انگریزوں اور ان کی تہذیب ومعاشرت سے جس میں مادیت کا عنصر غالب تھا، دلی نفرت تھی، ان کی ہمدردیاں قدرتی طور پر مسلمانوں کے اس طبقے کے ساتھ تھیں جو قدیم طرز زندگی کو برقرار رکھنے کے لیے کوشاں تھا، اور اس میں کسی تبدیلی کو بھی گوارہ نہیں کرتا تھا، اور جو مسلمانوں کی مادی ترقی سے زیادہ ان کی روحانی ترقی کا خواہاں تھا، جو لوگ اس نظریہ کے حامی تھے، انہوں نے اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لیے جو اجتماعی اقدام کئے، ان میں دو تعلیمی اداروں یعنی دارالعلوم دیوبند اور ندوۃ العلماء

کا قیام خاص اہمیت کا حامل ہے۔

اکبرالہ آبادی کا تعلق طبقہ علماء سے تھا

اکبر چونکہ ذہنی طور پر مسلمانوں کے اس طبقے سے تعلق رکھتے تھے، جن کی کوششوں سے دارالعلوم دیوبند اور ندوۃ العلماء کا قیام عمل میں آیا تھا، اور انہیں کو قوم کی دینی اور دنیوی فلاح کا ذریعہ سمجھتے تھے، ندوہ کے بارے میں کہتے ہیں:

کہنا مجھ کو جو کچھ ہے وہ کہنے دیں — دینی علموں کی موج کو وہ بہنے دیں
شبلی کی دعا بتانِ مغربی سے ہے یہ — ندوہ کو حضور قبلہ رخ رہنے دیں

دوسری جگہ دیوبند، ندوہ اور علی گڑھ کا مقابلہ یوں کرتے ہیں۔

ہے دل روشن مثال دیوبند — اور ندوہ ہے زبان ہوشمند
ہاں علی گڑھ کی بھی تم تشبیہ لو — ایک معزز پیٹ اس کو تم کہو
پیٹ ہے سب پر مقدم اے عزیز — گو کہ فکر آخرت ہے اصلی چیز

علی گڑھ جن ضرورتوں کو پورا کر رہا تھا، اکبر کو ان کی اہمیت سے انکار نہیں تھا، مگر ان کے نزدیک تعلیم کا اصلی مقصد روحانی ترقی تھا، اکبر ان اداروں کے اس حد تک حامی تھے، کہ یہ پرانی روایات، تہذیب اور مذہب کی حفاظت کی فکر کر رہے تھے، اور مسلمانوں کے ملی وجود کو قائم رکھنا چاہتے تھے، لیکن جہاں تک ان کے سیاسی خیالات اور کوششوں کا تعلق تھا، اکبر ان سے متفق نہیں تھے، انگریزوں سے سیاسی محاذ پر ٹکر لینا اور سیاسی آزادی حاصل کرنا ان کے نزدیک ممکن تھا، نہ مفید۔

اکبر ایک طنز نگار شاعر تھے

کسی شاعر کے کلام کا کماحقہ مطالعہ اس عہد کے معاشرتی اور تہذیبی حالات کے پس منظر ہی میں کیا جاسکتا ہے، اکبر الہ آبادی کی شاعری کے معاملہ میں یہ چیز اور بھی زیادہ

ضروری ہے، اس لیے کہ وہ طنز نگار شاعر ہیں، اور طنز نگار کا تو کام ہی یہ ہے کہ وہ اپنے زمانے اور اپنے ماحول پر گہری نظر ڈالتا ہے، اور اس کی بے اعتدالیوں اور ناہمواریوں کو اپنے طنز کا نشانہ بناتا ہے، اکبر نے اپنے عہد کی سماجی اور سیاسی زندگی کی جیسی ہمہ گیر اور ہمہ جہت تصویر طنز ومزاح کے موقلم سے کھینچی وہ نہ صرف دلچسپ ہے بلکہ اردو میں اس کی نظیر نہیں ملتی، اکبر کا عہد (۱۸۴۶ء سے ۱۹۲۱ء تک) طنز ومزاح کے لیے خاص طور پر سازگار تھا، یہ وہ زمانہ تھا جب دو مختلف تہذیبیں آپس میں ٹکرا رہی تھیں، ایک تعلیمی اور سماجی نظام ختم ہو رہا تھا، دوسرا اس کی جگہ لے رہا تھا، نئے تصورات زندگی لوگوں کے ذہن کو متاثر کر رہے تھے، ملک میں ایک طبقہ پرانی تہذیب اور قدیم روایات سے چمٹا ہوا تھا، اور اس کے بچانے کے لیے یہ ہر قیمت چکانے کو تیار تھا، دوسرا طبقہ مغربی تہذیب وتمدن کے سحر کا شکار ہو رہا تھا، دونوں اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھے تھے، اکبر نے ان سب حالات ورجحانات کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا اور ان کے مضحک پہلوؤں کو نمایاں کیا، طنز کا محرک وہ مرکب جذبہ ہے جس میں محبت کا سوز، ناکام خواہشوں کی تلخی، مایوسی، غم وغصہ، نفرت اور حقارت ہے، ان جانے طور پر بے انصافی، بے اعتدالی، افراط وتفریط، بدنمائی کو دور کرنے کا جذبہ ہے، یا کم از کم اس کی آرزو، جب کہ مزاح کی محرک وہ گدگدی ہے، جو کسی بے ہنگم، بھونڈے اور غیر متوازن رویے یا شخص یا منظر کو دیکھ کر محسوس ہوتی ہے اور جس سے مجبور ہو کر مزاح نگار ہنستا ہے اور اس ہنسی میں دوسروں کو بھی شامل کر لیتا ہے، اپنے نشانہ مزاح کے مضحک پہلو کی نشاندھی کر کے اور لوگوں کو خوش کر کے مزاح نگار کا کام ختم ہو جاتا ہے، جب کہ طنز نگار اسی رویے، اسی شخص، یا منظر کی بدنمائی، بھونڈے پن اور کجی کو دیکھ کر بے تاب ہو جاتا ہے وہ اس پر احتجاج کرتا ہے اس لیے کہ اسے اپنے نشانہ طنز سے محبت ہوتی ہے، شدید جذباتی لگاؤ ہوتا ہے اور اسی وجہ سے اس کے یہاں مایوسی، غم، غصہ وغیرہ کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، طنز نگار کی ہنسی زہر خند ہوتی ہے، جو ایک طرف دل میں کسک

پیدا کرتی ہے، دوسری طرف دماغ کو غور وفکر پر آمادہ کرتی ہے۔

طنز ومزاح کا مقصد معاشرہ کی کمیوں کو دور کرنا تھا

غرضیکہ طنز ومزاح کا مقصد افراد اور معاشرے کی کمیوں اور کجیوں کی طرف لوگوں کو متوجہ کرنا ہے، اس طرح کہ وہ اس سے محظوظ بھی ہوں، اس سے لطف بھی اٹھائیں اور اس پر غور بھی کریں، افراد اور معاشرے کے رویوں او رحرکتوں میں جو بھونڈا پن پیدا ہو گیا ہے اس کا احساس بھی ہو جائے، اگر کوئی طنز ومزاح نگار اپنے طنز ومزاح کے ذریعہ اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو جاتا ہے تو وہ یقیناً کامیاب ہے۔

اکبر کے مزاج میں طنز ومزاح کا عنصر غالب تھا

اکبر کے یہاں طنز ومزاح کا عنصر غالب ہے، اس لئے عام طور پر ان کی شاعری کو محض خوش طبعی اور خوش وقتی سمجھ لیا گیا ہے، اور اس کی ادبی اور سماجی حیثیت کو وہ اہمیت نہیں دی گئی، جس کی یہ مستحق ہے، ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اکبر کی آواز اپنے عہد کی آوازوں سے مختلف بلکہ مخالف تھی، اس وقت جب کہ مصلحین قوم کو یہ پیغام دے رہے تھے کہ اسے ترقی یافتہ قوموں کی تقلید کر کے ترقی کی راہ پر قدم بڑھانا چاہئے، یا مغربی تعلیم حاصل کر کے مغربی طرز فکر کو اپنانا چاہئے، تو اکبر ان لوگوں کا مذاق اڑاتے تھے، جو مغربی تہذیب وتمدن کی تقلید کر رہے تھے، اور مغربی طرز فکر اور مغربی طرز معاشرت کو اپنا رہے تھے، اس وقت جب اس پر زور دیا جا رہا تھا کہ زمانے کی ہوا کا رخ پہچان کر اسی سمت چلنا چاہئے، اکبر ماضی کی یاد دلاتے اور اس سے رشتہ استوار رکھنے پر اصرار کرتے تھے، اس لئے عام طور پر وہ رجعت پسند اور قدامت پرست سمجھے جانے لگے، اور ان کے بارے میں دو رائیں ہو گئیں، ایک تو یہ کہ وہ محض ہنستے اور ہنساتے ہیں، یا الفاظ کے الٹ پھیر سے مزاح پیدا کر لیتے ہیں، دوسری یہ کہ وہ متعصب، کٹر مذہبی، تنگ نظر اور لکیر کے فقیر ہیں، لیکن ایسے

لوگوں کی بھی کمی نہیں رہی جنھوں نے اکبر کی خدا پرستی اور ماضی پسندی کے جذبے کو حد سے زیادہ سراہا، اور اس طرح ان کے شاعرانہ منصب کی غلط تعبیر کی۔

اکبر کا کہنا تھا کہ ہر تبدیلی ترقی نہیں لاسکتی

جس زمانے میں اکبر کی شاعری پروان چڑھی وہ ہر لحاظ سے ایک بحرانی دور تھا، سماج، سیاست اور معاشرت ہر شعبۂ زندگی میں تغیرات ہو رہے تھے، اور تصورات بدل رہے تھے، ان میں سے کچھ تبدیلیاں قدرتی، صحت مند اور ناگزیر تھیں؛ لیکن جیسا کہ ہمیشہ ہوتا آیا ہے کہ ان تغیرات کے ساتھ کچھ غلط تبدیلیاں بھی سوچ سمجھ کر لائی جاتی ہیں، اکبر کی شاعری ایسی تبدیلیوں کے خلاف ردعمل کی شاعری ہے، ایک نظر میں تو ایسا لگتا ہے کہ اکبر ہر تبدیلی، ہر ترقی کے مخالف ہیں، یا وہ وقت کی رفتار کو روک لینا چاہتے ہیں؛ لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے، اکبر کا کہنا تھا کہ ہر تبدیلی ترقی نہیں کہلائی جاسکتی؛ لیکن ترقی وتبدیلی کا شور اس قدر تیز تھا کہ اس میں دھیما پن پیدا کرنے کے لیے اکبر کو اپنی آواز کچھ زیادہ ہی بلند کرنی پڑی، اس لیے وہ اپنے وقت کی سب سے بڑی تجدد پسند تحریک کے مخالف کہلائے، اکبر ترقی چاہتے تھے مگر ایسی جس کے راستے ان کے ہم وطن ملک کی تہذیب اور صالح روایات کے پیش نظر متعین کریں، جن کا مرکز مذہب اور اخلاق ہو، وہ دوسروں کی بتائی ہوئی راہوں پر چلنے کے خلاف تھے، اس لیے وہ ان تحریکوں اور ان اداروں کے حامی تھے، جو ان کے مذہبی واخلاقی تصور کے مطابق یا اس سے قریب تھے۔

اکبر کی شاعری کا مقصد قوم وملت کی اصلاح تھی

اکبر نے اپنی شاعری کی ابتداء روایتی شاعری سے کی؛ لیکن ان کا دل بہت جلد اس سے اکتا گیا، وہ ایسی شاعری کرنا چاہتے تھے جو ان کے ایسے خیالات ونظریات کی ترجمان ہو، جن سے ملک وقوم کی اصلاح ہو، لیکن ان خیالات نے واضح شکل اس وقت اختیار کی جب

۱۸۷۷ء میں ''اودھ پنچ'' نکلا، ابتداء میں انہوں نے اودھ پنچ کے ذریعہ اور بعد میں انفرادی طور پر افراد اور جماعتوں کے غیر متوازن رویے پر طنز ومزاح کی صورت میں تنقید کی۔

اکبر کی شاعری اپنے دور کے تہذیبی تصادم اور سماجی تبدیلیوں کی بہترین ترجمان ہے، اوران کے لیے مذہبی، اخلاقی اور سماجی شعور کی عکاس بھی، وہ اپنے زمانے کی تبدیلیوں، ترقیوں اور تحریکوں کے بارے میں جس طرح سوچتے تھے، خواہ ہم ان سے متفق ہوں یا نہ ہوں، لیکن ان کے طنز ومزاح سے لطف اندوز ضرور ہوتے ہیں، اور یہی اردو شاعری کو اکبر کی سب سے بڑی دین ہے۔

اکبر قوم کو مغربی تہذیب کے برے اثرات سے بچانا چاہتے تھے

شاعری کے سلسلہ میں ابتداءً غلام حیدر تلمیذ آتش سے اصلاح لی، پھر اپنا الگ رنگ پیدا کیا، ان کی شہرت، ظرافت آمیز اور طنزیہ اشعار پر مبنی ہے، مشرقیت کے دلدادہ اور مغربی تہذیب کی کورانہ تقلید کے سخت خلاف تھے، مغرب زدہ طبقہ کو طنز ومزاح کی چٹکیاں لے کر راہ راست پر لانے کی کوشش کرتے تھے، کلام میں مس، سید، اونٹ، کالج، گائے، کلیسا، برہمن، جمن، بدھومیاں مخصوص اصطلاحیں اور علامتیں ہیں ''مخزن'' لاہور نے انہیں ''لسان العصر'' کا خطاب دیا، اکبر کی بیشتر شاعری اصلاحی ہے، وہ قوم کو مغربی تہذیب کے برے اثرات سے بچانا چاہتے تھے، جس کے لیے انہوں نے طنز وظرافت کا انداز اختیار کیا ہے، وہ مغرب کی اندھی تقلید کرنے والوں پر طنز کرتے تھے، اور ہنسی ہنسی ہی میں بڑے پتے کی باتیں کر جاتے تھے، ان کی طنز میں شائستگی تھی، اور مزاح میں لطافت، زبان وبیان پر انہیں پوری قدرت حاصل تھی، انہوں نے اردو غزل کو سنوارا اور اسے نئے موضوعات سے آشنا کیا، اکبر کی شاعری کی مدت لگ بھگ ساٹھ سال ہے، اس عرصے کا پورا کلام ان کی کلیات (جو چار حصوں میں منقسم ہے) ایک شعری مجموعہ اور مسدس گنج پنہاں پر مشتمل ہے، کچھ کلام مختلف رسائل، گلدستوں اور نظموں کے مختلف انتخابوں میں بھی ملتا ہے۔

اکبر کی شاعری کے تین دور

طالب الہ آبادی نے اکبر کی شاعری کے تین دور قرار دیئے ہیں، اوران میں عنوانات صبح، دوپہر اور شام کے قائم کئے ہیں، صبح: شروع سے ۱۸۷۹ء تک، دوپہر: ۱۸۸۰ء سے ۱۹۰۳ء تک، شام: ۱۹۰۴ء سے ۱۹۲۱ء تک، ان ادوار کی تقسیم کے بارے میں وہ کہتے ہیں، دنیا کے ہر زمانے کے مصنّفین وشعراء کے کلام میں تنزل اور ارتقاء کے مختلف درجات پائے جاتے ہیں، ابتدائی کلام کی خصوصیات شباب کے کلام سے اور شباب کے کلام کی امتیازی حسیات کلام شیب سے جدا ہوتی ہیں، اکبر کے یہاں بھی یہ تینوں درجے پائے جاتے ہیں۔

ڈاکٹر عابد حسین نے اکبر کے کلام کو تین ادوار میں تقسیم کیا ہے، پہلا دور جس میں انہوں نے تغزل اختیار کیا، دوسرا دور نصیحت آمیز ظرافت، تیسرا دور ظرافت آمیز نصیحت، اکبر کی شاعری کا ایک معتد بہ حصہ نئی نسل کی مذہب سے بیگانگی پر احتجاج ہے، اکبر نے عورتوں کی تعلیم وآزادی وپردہ پر بھی خوب کہا، انہوں نے اپنی شاعری میں صرف مغربی تہذیب وتمدن پر ہی طنز نہیں کیا، بلکہ انہوں نے غیر ملکی حکومت کے ظلم وستم پر بھی احتجاج کیا ہے، اس کی پالیسیوں پر کڑی تنقید کی ہے، ان کو طنز ومزاح کا نشانہ بنایا ہے، سیاست پر بھی تبصرہ کیا ہے، سنجیدہ نظمیں، رباعیات اور قطعات بھی کہیں ہیں، اکبر کی شاعری میں تصوف پر بھی زوردار کلام ہے اور زندگی کے حقائق کا بھی بیان ہے۔

اکبر نے انتہائی پسندی پر بھی طنز کیا اور مغرب کی نقالی اور نئی نسل کی اپنے ماضی سے بیگانگی کو بھی واضح کیا

اکبر نے اپنی ظریفانہ شاعری میں زندگی کے نشیب وفراز پر بھی نظر ڈالی ہے، اور روحانیت، جوش، اندھی تقلید، غلامانہ ذہنیت، بدکرداری اور بداخلاقی کو بھی نشانہ بنایا ہے، انہوں نے انتہاپسندی پر بھی طنز کیا ہے اور اپنے دور میں مغرب کی نقالی اور نئی نسل

کی اپنے ماضی سے بے گانگی کو بھی واضح کیا ہے، اپنی شاعری کو اکبر نے تصنع اور نازک خیالی سے نہیں سجایا بلکہ عمومی مضامین کو اپنے اشعار میں ڈھال کر اس طرح پیش کیا ہے کہ وہ براہ راست متاثر کرتے ہیں، مخصوص الفاظ کی ان کی اپنی ایک فہرست ہے جن سے انہوں نے معاشرے اور معاشرتی زندگی کی کمزوریوں کو ابھارا ہے ، اور بڑے لطیف پیرائے میں طنز بھی کیا ہے، مگر یہ طنز ناگوار نہیں گزرتا، طنز ومزاح کے تعلق سے انہوں نے اپنی شاعری میں انگریزی الفاظ سے بھی فائدہ اٹھایا ہے۔

تعلّیوں کو طبیعت ریجیکٹ کرتی ہے
جو دل شکستہ ہیں ان کو سلیکٹ کرتی ہے

اکبر نے ملک وقوم کی اصلاح کے لیے شاعری کی جس میں وہ ہندو مسلمان سب ہی سے مخاطب ہوئے مگر روئے سخن زیادہ تر مسلمانوں ہی کی طرف ہے ، اکبر کی شاعری کا بنیادی مقصد جیسا کہ کہا گیا ہے، قوم کی اصلاح تھا لیکن ان کے کلام میں ایسی نظمیں بھی موجود ہیں جو کسی تبلیغی مقصد کے لیے نہیں کہی گئیں، ایسی نظموں میں جلوہ دربار دہلی ، پانی کا بہاؤ اور برق کلیسا خصوصیت سے قابل ذکر ہیں اور ان کی ادبی اہمیت مسلم ہے۔

اکبر نے طنز ومزاح کے سائے میں
اپنی وطن پرستی اور سماجی اصلاح کا جادو جگایا

اکبرالہ آبادی کو طنز ومزاح کے شاعر کے طور پر جانا جاتا ہے، اور شاید یہی وجہ ہے کہ ان کی انسان دوستی اور حب الوطنی کے جذبات کی بھرپور پذیرائی نہیں کی جاسکی ہے، اکبر کی مزاحیہ شاعری سے لطف تو سب ہی پڑھنے والوں نے اٹھایا ہے لیکن اس طرف کم ہی لوگوں کی توجہ گئی ہے، کہ اکبر اس دور میں جی رہے تھے جو ہماری جدوجہد آزادی کا دور تھا، وہ ہندوستانی تھے مگر انگریزوں کی حکومت میں ایک ذمہ دار عہدے پر تھے، بطور ہندوستانی وہ بھی ملک کی آزادی کے خواہاں تھے؛ لیکن سرکاری ملازمت کی بندشوں کی وجہ سے نہ تو وہ

تحریک آزادی میں حصہ لے سکتے تھے اور نا ہی تحریر اور تقریر کے ذریعہ اپنی وطن پرستی کا کھل کر اظہار کر سکتے تھے ، وہ ذہین آدمی تھے ، اور شعر گوئی کی خداداد صلاحیت ان میں موجود تھی ، بس انہوں نے بجائے براہ راست اپنے جذبوں کا اظہار کرنے کے طنز ومزاح کے سائے میں اپنی وطن پرستی اور سماجی اصلاح کا جادو جگایا۔

اکبر کو مشرقی تہذیب پر مغربی تہذیب کا غلبہ گوارا نہ تھا

اکبر مذہبی آدمی تھے، مگر انتہا پسند نہ تھے، ان کی خواہش تھی کہ ہر ہندوستانی وطن سے محبت اور اپنے مذہب کی حفاظت کرے ، بزرگوں کا ادب کرے ، ماضی سے واقف ہو، حال کو پرکھے اور بہتر مستقبل کی ساخت کرے ، مشرقی تہذیب پر مغربی تہذیب کا غلبہ انہیں کسی طرح بھی گوارا نہ تھا، اسی لیے انہوں نے کہا:

راہ مغرب میں یہ لڑکے لٹ گئے
واں نہ پہنچے اور ہم سے چھٹ گئے

پرانی روشنی میں اور نئی میں فرق اتنا ہے
اسے کشتی نہیں ملتی ، اسے ساحل نہیں ملتا

اختر انصاری اکبرالہ آبادی کے بارے میں لکھا ہے کہ ”لسان العصر حضرت اکبر آلہ بادی ان شعراء میں ایک نمایاں ہستی تھے جن کے پیش نظر نہ صرف اچھی چیزوں کی تصویر کشی کا جذبہ تھا بلکہ ہر بری چیز پر اتنے سخت اور گہرے انداز میں طنز کے ذریعے ایک ایسی کاری ضرب بھی لگاتے تھے کہ آدمی اس طنز کو محسوس کرے اور اپنی بے راہ روی اور گمراہی کو چھوڑ دے ، دراصل اکبر مرحوم اپنے وقت کی سچی پیداوار تھے، حالی نے قوم کا مرثیہ پڑھ کر قوم کی زوال پذیر حالت پر آنسو بہائے ، اکبر نے مشرقیت کو خون کی ندی میں بھینٹ چڑھتے دیکھا، اس کی مذمت کیلئے ان کا سب سے بڑا ہتھیار جوان کو جودت طبع نے دیا، وہ ان کی طنز وظرافت تھی ، اس کا استعمال اکبر نے جس حسن وخوبی سے کیا شاید ہی کسی نے کیا ہو، اکبر نے اپنی مزاح نگاری

میں معقولیت اور جامعیت کا جو ثبوت بہم پہنچایا ہے وہ قطعی بے نظیر ہے''۔(۱)

اکبر نے کسی کو بھی اپنے طنز کے نشتروں سے محروم نہیں رکھا

پروفیسر محمد طاہر فاروقی اکبر کے انداز بیان کے بارے میں اس طرح اظہار رائے کرتے ہیں کہ: ''اکبر نے زندگی کے کسی پہلو کو اپنی تنقید سے نہیں چھوڑا، مذہب، تعلیم، اخلاق، سیاست سبھی پر انہوں نے گہری نظر ڈالی ہے، اور تیز نشتر چبھوئے ہیں، لیکن معاشرت کی خرابیوں کا انہوں نے خاص طور پر خاکہ اڑایا ہے، وہ ایک طرف شیخ وواعظ پر طنز کرتے ہیں، تو دوسری جانب نئی نسل کی غلط روش پر چرکے لگاتے ہیں، تعلیم نے جن کی نگاہوں کو خیرہ کر دیا ہے، جو کلرکی اور شکم پری کو مقصد زندگی سمجھتے ہیں، وہ ریا کار جو اہل مذہب کی آنکھوں میں دھول جھونکنا چاہتے ہیں اور وہ لوگ جو ''بڑا'' ہو جانے کے بعد اپنے آپ کو مرفوع القلم سمجھنے لگتے ہیں، کسی کو بھی انہوں نے اپنے طنز کے نشتروں سے محروم نہیں رکھا۔

چھوڑ لٹریچر کو اپنی ہسٹری بھول جا
شیخ ومسجد سے تعلق ترک کر، اسکول جا
چار دن کی زندگی ہے کوفت سے کیا فائدہ
کھا ڈبل روٹی کلرکی کر، خوشی سے پھول جا

اکبر اپنے اصلاحی اور انقلابی مقصد میں کامیاب ہوئے

اکبر کے طنزیہ نشتروں نے طوفان مغرب کا رد عمل پیدا کیا، اگلی نسل مجبور ہوئی کہ وہ اس کے نتائج وعواقب اور مالہ وماعلیہ کو پرکھے، سوچے اور غور کرے، اس لحاظ سے اگر یہ کہا جائے کہ اکبر اپنے اصلاحی اور انقلابی مقصد میں کامیاب ہوئے تو بیجا نہیں۔

ظفر احسن آصف نے اکبر کے غزلیہ کلام کا جائزہ ان الفاظ میں لیا ہے کہ ''اکبر کی

(۱) اکبر اس دور میں صفحہ ۸۔

شگفتگی تخیل اور رعنائی فکر کے بہت سے پہلو ہیں جن میں شوخی بیان کا عنصر نمایاں حیثیت رکھتا ہے، محبوب کے جور وستم پر اغیار کی طعنہ زنی، دوستوں کے طعنے اور پرشوق نگاہوں کی بیتابی پر غور کرنیکے بعد اکبر اس انداز سے اپنے بے قصور ہونے کا ذکر کرتے ہیں کہ ہمارے لیے رومان اور حقیقت میں امتیاز پیدا کرنا دشوار ہو جاتا ہے، محبوب کی تجلیات آتش شوق کو بھڑکاتی ہے، اسلئے جب تک یہ جلوے نگاہوں کے سامنے ہیں، آرزوئے دید کا پیدا ہونا ضروری ہے۔

مجھ سے سب یہ کہتے ہیں کہ نیچی رکھ نظر اپنی
کوئی ان سے نہیں کہتا نہ نکلو یوں عیاں ہو کر

اکبر کے اشعار میں مضطرب دل کی دھڑکنیں ہیں

ایک حساس انسان کی طرح اکبر کو زندگی کی بے ثباتی، حیات وموت، کائنات میں ہماری بے بسی اور اس سے متعلق سینکڑوں تلخ حقائق کا خیال بھی آتا ہے، گذشتہ صحبتیں، عشق ومحبت کی ہنگامہ آرائیاں اور پرانے واقعات کے تصور سے انہیں ایک ایسے عالم کی یاد آجاتی ہے، جہاں انسان کی زندگی اپنی منزل کی تلاش کے لیے سہاروں کی رہین منت ہوتی ہے، اور اسی لیے ہمیں ان کے اشعار میں مضطرب دل کی دھڑکنیں سنائی دیتی ہیں:

بزم عشرت کہیں ہوتی ہے تو رو دیتا ہوں
کوئی گزری ہوئی صحبت مجھے یاد آجاتی ہے
دیکھئے کب تک نہیں آتی گل عارض کی یاد
سیر گلشن سے طبیعت ہم نے بہلائی تو ہے
اقرار وفا، یار نے ہر اک سے کیا ہے
مجھ سے بس انکار ہے معلوم نہیں کیوں

اکبر انگریزوں کے سخت مخالف تھے لیکن......؟

زندگی کے مسائل اور تلخیوں کو الفاظ کا جامہ پہنانا آسان نہیں ہوتا اور خاص طور سے ناپسندیدہ نظریات اور رویوں کو ظریفانہ اسلوب میں بیان کرنا تو اور بھی مشکل کام ہے، دل حالات سے کٹتا ہے تو خوشی روٹھ جاتی ہے، کم ہی لوگ ہوتے ہیں جو بد حالات میں بھی نہ صرف ہنسنے، مسکرانے کا حوصلہ رکھتے ہیں، بلکہ ہنستے مسکراتے حالات کا مقابلہ کرنے کیلئے اکسا سکتے ہیں، اکبر ایسی ہی شخصیت کے مالک تھے، اکبر الہ آبادی انگریزوں کے ملازم ضرور تھے؛ لیکن ملک پر غاصبانہ قبضہ کی وجہ سے وہ ان کے مخالف بھی تھے، مقابلہ کی طاقت نہیں تھی لیکن خودداری کو بھی کبھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے، کہتے وہی تھے جو دل میں ہوتا لیکن ایسے میٹھے، سبک اور سجیلے الفاظ میں کہ جس کے خلاف کہا جاتا وہ سمجھ بھی لیتا تھا تو برا نہ مانتا تھا، ان کی شاعری کی پھلجھڑیاں چھٹتی رہتی اور حقائق ظرافت کے چولے سے بکھرتے رہتے۔

اکبر نے جس موضوع کو چاہا اختیار کرلیا

پروفیسر رشید احمد صدیقی کی رائے ہے کہ ”حضرت اکبر نے اردو شاعری کے ساتھ جس قدر بے تکلفی برتی ہے ان سے پہلے شاید ہی کسی نے برتی ہو، حضرت اکبر نے جو موضوع چاہا اختیار کیا، اور ہر بات طریقے سے کہی ہے“۔(۱)

اور بلاشبہ اکبر کے ہاں ہر کیفیت شعر میں ڈھل جاتی ہے۔

یارب ایسا کوئی بت خانہ عطا کر جس میں
ایسی گزرے کہ تصور بھی گنہ گار نہ ہو

نہ تعلق ہے کسی سے، نہ شناسائی ہے
انجمن میں ہوں مگر عالم تنہائی ہے

(۱) حیات اکبر الہ آبادی صفحہ ۱۳۹۔

ناتوانی میری دیکھی تو مصور نے کہا
ڈر ہے کھینچ آؤ نہ تم بھی کہیں تصویر کے ساتھ

تدبیر سدا راست جو آتی نہیں اکبر
انسان کی طاقت کے سوا بھی ہے کوئی چیز

اکبر کو مزاحیہ شاعری راس آئی

اکبر نے ہمارے ادب اور ہماری زبان کے سبھی مطلوبہ لطائف اور اصول مزاح سے کام لیا، بیشتر طنز و ظرافت کے وہی حربے ہیں، جو ان سے پہلے بھی مانوس تھے، لیکن اکبر نے اس سلیقے، کامیابی اور فراوانی سے ان کا استعمال کیا ہے کہ یہ ان ہی کے مخصوص حربے نظر آتے ہیں، طنز کے اجزائے ترکیبی وہی ہیں لیکن ان کا امتزاج ضرور منفرد ہے، قافیہ، تضمین، تصرف، لفظی صنائع، پھبتی، کنایات، بول چال، لہجہ کی شگفتگی اور تیور ان میں سے اکثر اصناف کو سنجیدہ شاعری سے زیادہ اکبر کے ہاتھوں میں مزاحیہ شاعری راس آئی اور اس طرح ان میں ایک نئی جان پڑ گئی۔

غالب کے علاوہ کوئی شاعر اکبر تک نہیں پہنچا

اکبر کے مزاح کا جوہر وہ مخصوص کنائیت ہے جسے اکبری آرٹ کہہ سکتے ہیں، ان کے کلام میں تاثیر اس کنائیت کے بغیر نہ پیدا ہوسکتی، اور اسے سہارنے کے لیے انتہائی قادر الکلامی کی ضرورت تھی، اکبر شعر میں معنی کو مقدم رکھتے ہیں، ان کا ایک مخصوص آلہ کار انگریزی الفاظ ہیں جن سے ان کے کلام میں ظرافت سے زیادہ کنائیت کا کام نکلتا ہے اور ان الفاظ کو صفائی سے جوڑنا بھی اکبر ہی کا کام تھا کہ کہیں کوئی انگریزی لفظ کھٹکنے نہیں پاتا، ان کے کلام کو غور سے دیکھئے تو صاف نظر آئے گا کہ ان کی مزاحیہ شاعری کے جملہ پہلو، طرز اور تیور، ان کی مخصوص اصطلاحات و تلمیحات، لفظی اختراعیں حتی کہ تشبیہات و استعارات بھی

مقصود بالذات نہیں بلکہ کنائیت کے تابع ہیں، اکبر کا کلام اس خاص مفہوم میں اردو کا بلیغ ترین کلام ہے اور غالب کے علاوہ کوئی اور شاعر اس فن میں اکبر تک نہیں پہنچتا۔

اکبر الہ آبادی کا کلام انقلاب آفریں ہے

اکبر الہ آبادی اردو زبان کے پہلے شاعر ہیں جنھوں نے انگریزی تمدن، مغربی تہذیب اور فرنگی سیاست کے خلاف اس دور میں آواز بلند کی جب کہ جبر واستبداد نے زبانوں پر خاموشی کی مہریں لگادی تھیں، ان کے طنز میں پیغام ہے، انقلاب ہے اور اصلاح وہدایت کا جوہر ہے، اکبر کی شاعری نے تہذیب فرنگ اور سیاست مغرب کی مخالفت اور اس سے بیزاری کا سب سے پہلے ہندوستان کے لوگوں کے دلوں میں بیج بویا، اس اعتبار سے ہم کہہ سکتے ہیں اکبر کا کلام انقلاب آفریں بھی ہے۔

اکبر نے مرد وزن کے بیباکانہ اختلاط کا کھل کر جہاد کیا

معاشرت کی اصلاح کے سلسلے میں اکبر نے عورت پر بہت کچھ لکھا ہے، وہ عورت کو پردے میں رکھنا چاہتے ہیں؛ لیکن اس کی تعلیم کے مخالف نہیں، وہ کہتے ہیں:

جاتی ہے اسکول میں لڑکی تو کچھ حاصل کرے
کیا ہوا حاصل جو بس بے باک بن کر رہ گئی

اکبر نے خداناشناسی، بے دینی، مغرب زدگی اور مرد وزن کے بے باکانہ اختلاط کے خلاف خوب کھل کر جہاد کیا اور یہ ان کی شاعری اور آرٹ کا وہی کارنامہ ہے جسے ہم ''جزویست از پیغمبری'' کہہ سکتے ہیں۔

اکبر نے اردو شاعری میں طرز نو ایجاد کی

اکبر الہ آبادی نے اردو شاعری میں طرز نو ایجاد کی، ان کی شاعری سب سے منفرد نظر آتی

ہے، حقیقت یہ ہے کہ حضرت اکبر الہ آبادی اپنی طرز خاص کے موجد بھی تھے، اور خاتم بھی۔(۱)

مشرق کا یہ پرستار ہر چیز کو جذبات کی عینک سے دیکھتا تھا اور ہر نئی چیز کے سائے سے بھڑکتا تھا، اس نے مغربی تہذیب، مغربی معاشرت اور مغربی سیاست پر ایسے وار کئے کہ مغربیت کے خلاف ردعمل جلد شروع ہوگیا، اکبر نے اپنے بعد اقبال کو چھوڑا جو اگرچہ مغرب سے بہت کچھ لے چکے تھے مگر اس سے بیزار تھے اور دوسری طرف ظفر علی خان اور ظریف لکھنوی کو۔(۲)

مجموعی حیثیت سے اکبر کا مقام بہت بلند ہے، انہوں نے نہ صرف شعروادب کی خدمت ومعاونت کی بلکہ قوم اور ملت کی اصلاح کو بھی مدنظر رکھا، انہوں نے اپنا پیغام سیدھی سادی اور عام فہم زبان میں دیا تاکہ وہ محنت کش طبقہ بھی ان کی بات کو سمجھ سکے جس سے علم کی روشنی چھین لی گئی ہے۔(۳)

---

(۱) ماہر القادری۔ (۲) آل احمد سرور۔ (۳) خمار انصاری۔

اردو زبان کی ترقی میں مولانا آزاد کا حصہ☆

مولانا ابوالکلام آزاد کی پیدائش

حضرت مولانا ابوالکلام آزاد ایک صحافی، اردو زبان وادب کے ماہر ادیب، زبردست خطیب، زبان وبیان کے شہسوار، قادر الکلام، قلمکار، عظیم مصنف، بہترین مفسر قرآن، تہجد گزار، محبّ وطن، مجاہد آزادی، فدائے ملک وملت، رہبر قوم اور گونا گوں صفات کے حامل انسان تھے، اللہ تعالی نے مولانا کو بہت سی اہم خصوصیات سے نوازا تھا، اس طرح وہ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک تھے، مولانا آزاد کی پیدائش مکہ معظّمہ کے محلّہ ''قدوہ'' متصل باب السلام میں ۱۳۰۵ھ میں ذی الحجہ کی آٹھویں یا نویں تاریخ مطابق ۱۶/یا ۱۷/اگست ۱۸۸۸ء میں ہوئی، والد صاحب نے غلام محی الدین نام رکھا، مولانا آزاد نے اپنے طور پر محی الدین احمد نام اختیار کیا، پھر اسے بھی مختصر کر کے احمد لکھنا شروع کیا، آپ کے والد صاحب نے آپ کا تاریخی نام فیروز بخت رکھا تھا، اور مصرعہ ذیل سے ہجری تاریخ کا استخراج کیا: ع

جواں بخت وجواں طالع جواں باد

مولانا ابوالکلام آزاد کی ذہانت وفطانت

ابوالکلام آپ کی کنیت اور آزاد تخلص تھا، مولانا آزاد کو اللہ تعالی نے فطری ذہانت سے نوازا تھا، مولانا آزاد نے اپنی ذہانت اور فطانت کا سکہ تیرہ، چودہ سال کی عمر میں جمادیا

☆ یہ مضمون ۱۳/فروری ۲۰۱۶ کو ادارہ شباب اسلامی میہو والا، دہرادون کے تحت ہونے والے اجلاس میں پڑھنے کے لئے لکھا گیا تھا۔

تھا، انکے اساتذہ ان کی صلاحیتوں کے معترف تھے، جب کہ انہوں نے صحافت کا مطالعہ کرنے کے بعد اس کا نچوڑ مئی ۱۹۰۲ء میں ''فن اخبار نویسی'' کے عنوان سے سر عبدالقادر کے مشہور زمانہ رسالہ ''مخزن'' میں طویل مضمون از طرف مولوی ابوالکلام محی الدین آزاد دہلوی مقیم کلکتہ شائع کرایا، جس میں انہوں نے مختلف ذیلی عنوانات کے تحت نہ صرف فن صحافت بلکہ فکر صحافت پر تفصیلی اور تحقیقی مضمون سپرد قلم کیا تھا۔

سترہ اٹھارہ سال کی عمر میں ایڈیٹر کا منصب

لسان الصدق جس کی عظمت کے ''حالی اور شبلی'' معترف تھے، مولانا آزاد نے پندرہ برس کی عمر میں نکالا تھا، اپریل ۱۹۰۴ء میں انہوں نے ۱۶/سال کی عمر میں انجمن حمایت الاسلام لاہور کے سالانہ جلسے میں شرکت فرمائی، ان کی فصاحت وبلاغت سے بھری تقریر سے پورے پنجاب میں دھوم مچ گئی، ۱۷/سال کی عمر میں ''الندوہ'' کے سب ایڈیٹر مقرر ہوئے، ۱۸/سال کی عمر میں ''وکیل امرتسر'' کے ایڈیٹر بنائے گئے، الہلال جس کی نظیر نہ پہلے تھی نہ بعد میں، جس نے ادب، صحافت، مذہب اور سیاست میں ایک انقلاب پیدا کر دیا تھا، انہوں نے صرف ۲۴/سال کی عمر میں نکالا تھا۔

مولانا آزاد کے ہمعصروں نے آپکی خوبیوں کا اعتراف کیا

مولانا آزاد نے اپنے اس مشہور ومقبول ہفتہ واری اردو اخبار کے ذریعہ جس طرح اپنے صحافتی شعور وآگہی سے ملک کا سیاسی، سماجی، تہذیبی، مذہبی، معاشرتی، لسانی، ادبی اور صحافتی معیار ووقار قائم کیا ہے، وہ تاریخ کا ایک سنہرا باب ہے، مولانا آزاد نے جس خوش اسلوبی، سنجیدگی، صبر وتحمل بردباری اور متانت سے اردو زبان کو جو ترقی اور آفاقیت بخشی اور جو اعلی معیار قائم کیا، اسے کبھی بھر فراموش نہیں کیا جاسکتا، اسلوب کی سحر انگیزی اور معروضیت پسندی ملک کی اردو صحافت کے لئے آج بھی مشعل راہ ہے۔

مولانا آزاد کی ان تمام خوبیوں کا اعتراف ان کے معاصرین زعماء واکابرین، صحافیوں، ادیبوں اور سیاسی لوگوں نے بھی کیا ہے، ان اعترافات میں مولانا آزاد کی صحافتی بصیرتوں کے ساتھ ساتھ ان کے مذہبی افکار ونظریات، علم وادب، شعروسخن اور سیاست ومعاشرت کے لئے ان کی محنت وجدوجہد کا اظہار ہے، معروف مصری ادیب طٰہ حسین نے مولانا کی صحافت کی تعریف کرتے ہوئے لکھا تھا کہ ”ان کی صحافت خود اپنی صحافت تھی، جسے خود انہوں نے ایجاد کیا تھا اور وہ ان کے ساتھ ختم ہوگئی“۔

مولانا آزاد ۱۱؍سال کی عمر میں صحافت کے سفر پر نکل پڑے

حقیقت یہ ہے کہ مولانا آزاد کو اپنے طالب علمی کے دور میں ہی اس امر کا اندازہ ہوگیا تھا کہ صحافت ترسیل وابلاغ کا مؤثر اور طاقت ور ذریعہ ہے، اور واقعات اور حالات حاضرہ کی معلومات بہم پہنچانے کا اتنا بہتر وسیلہ ہے کہ دنیا کے بڑے بڑے سماجی پیشواؤں، سیاسی رہنماؤں اور مشاہیر ادب نے نہ صرف اس کی بھرپور طاقت کے سامنے سرتسلیم خم کیا بلکہ اپنے افکار واظہار کی تشہیر کے لئے صحافت سے منسلک رہے، تاریخ شاہد ہے کہ صحافت نے کتنے ہی ملکوں کے تختے پلٹ دئے، بڑے بڑے انقلابات کو جنم دیا، اور ظالم حکمراں کے دانت کھٹے کئے، یہی وہ وجہ تھی کہ مولانا آزاد محض ۱۱؍سال کی عمر میں ہی صحافت کے مشکل اور دشوار گزار سفر پر نکل پڑے، اور نئے نئے تجربات حاصل کئے، اور ملک وقوم کی تصویر وتقدیر کو بدلنے کیلئے غیر ملکی تسلط، جبر وظلم، استحصال واستبداد کے خلاف آواز بلند کرتے ہوئے منافرت، تعصب، تنگ نظری کی نہ صرف بیخ کنی کی بلکہ اپنے ملک کو انگریزوں کی غلامی کی زنجیروں سے آزاد کرا کر امام الہند بن گئے۔

بھرے مجمع میں فصاحت وبلاغت کے ساتھ ترجمہ کرنا

۱۹۱۲ء کے آغاز اپریل میں ندوۃ العلماء کا سالانہ اجلاس بڑی دھوم دھام سے

ہو رہا تھا، اور اس کی صدارت کے لئے مصر کے مشہور ادیب صحافی اور عالم دین علامہ رشید رضاء کو دعوت دی گئی تھی، علامہ رشید رضا نے فصیح وبلیغ عربی میں خطبہ دیا، علامہ شبلی نے فرمایا کہ کوئی شخص ہے جو اس خطبہ کا ترجمہ کرسکتا ہو، مجمع پر سناٹا چھا گیا، پھر دیکھا کہ ایک کونے سے ایک نوخیز طالب علم نوجوان اٹھا اور ترجمہ کی اجازت چاہی، پھر مجمع نے دیکھا کہ اس فصیح وبلیغ خطبے کا ترجمہ اس مہارت اور فصاحت وبلاغت کے ساتھ کیا کہ ترجمہ ترجمہ نہ رہا بلکہ اصل اردو زبان میں خطبہ بن گیا۔

مولانا آزاد نے پندرہ ہزار کتابوں کا مطالعہ کیا

نیاز فتح پوری نے امام الہند مولانا آزاد کی عظمت کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ:

”ان کی زندگی ایک خاص سانچے میں ڈھل کر اگر وہ نہ ہوجاتی جو ہمارے سامنے آئی تو خدا جانے وہ کیا کیا ہوسکتے تھے، وہ اگر عربی شاعری کی طرف توجہ کرتے تو ”متنبّی وبدیع الزماں“ ہوتے، اگر محض دینی ومذہبی فلاح کو اپنا شعار بنالیتے تو اس عہد کے ”ابن تیمیہ“ ہوتے، اگر محض علوم حکمیہ کے لئے آپ کو وقف کردیتے تو ”ابن رشد اور ابن طفیل“ سے کم درجہ کے متکلم وفیلسوف نہ ہوتے، اگر وہ فارسی شعروادب کی طرف متوجہ ہوتے تو ”عرفی ونظیری“ کی صف میں انہیں جگہ ملتی، اگر وہ تصوف واصلاح کی طرف مائل ہوتے تو ”غزالی اور رازی“ سے کم نہ ہوتے، اور اگر مسلک اعتزال اختیار کرتے تو دوسرے واصل بن عطا ہوتے، ایک بار حکماء اسلام کے سلسلہ میں ابن طفیل کا ذکر آ گیا تو مولانا آزاد نے اس کی مشہور کتاب حی بن یقظان کی پوری داستاں ایک نشست میں اس طرح سنادی گویا وہ اس کے حافظ تھے، اور یہ سب مطالعہ کی کرامات تھی، مولانا آزاد نے ایک مرتبہ فرمایا کہ اس وقت میری عمر اڑسٹھ سال کی ہے، آٹھ سال نکال دیں، ساٹھ سال کے دن شمار کریں تو ۲۱۹۰۰؍ ہوتے ہیں، اب اس میں قید وبند کے دن بھی ہیں، علالت کا زمانہ بھی اور ادھر ادھر کی مشغولیت کے ایام بھی، میرا خیال ہے کہ میں نے عمر کے اس موڑ تک پندرہ

ہزار کتابیں ضرور دیکھیں، اور پڑھیں ہیں، اس سے مولانا آزاد کے کثرت مطالعہ اور وسعت کتب بینی کا اندازہ ہوتا ہے۔

مولانا آزاد نے اردو زبان کی ترقی میں اہم رول ادا کیا

مولانا جب مطالعہ کرتے تھے تو کتاب پڑھتے ہی نہیں ہضم کرتے تھے، اس کی برکت سے اللہ تعالی نے ان کے ذریعہ اردو زبان میں ایک کتب خانہ تیار کرادیا، جیسے ان کے مضامین نے انقلاب پیدا کیا، اور عوام کو دعوت فکر اور ایک لائحہ عمل دیا، اسی طرح اپنی تصنیفات کے ذریعہ جہاں دعوت اسلام کا فریضہ انجام دیا، وہیں اردو زبان کی بھی ترقی ہوئی، گویا اردو زبان کی ترقی میں آپ کے اخبار وصحافت اور آپ کی تصنیفات وخطابت کا بھی حصہ ہے، اسی طرح جب وہ ہندوستان کے وزیر تعلیم بنے، تو انہوں نے اردو زبان کی ترقی وحفاظت میں اہم رول ادا کیا۔

مظفر حسین سید صاحب نے ''مولانا ابوالکلام آزاد قومی تعلیم اور اردو'' کے عنوان سے ایک تفصیلی مضمون لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے: ''ہمارے وطن ہندوستان جنت نشان کی عموماً اور ہماری محبوب زبان اردو کی عین خوش بختی ہے کہ مولانا ابوالکلام آزاد ہندوستان کے اولین وزیر تعلیم مقرر ہوئے، انھوں نے قومی تعلیم اور اس کی بقاء کے لئے بڑی خاموشی اور حسن تدبر کے ساتھ ایسے دور رس اور دیرپا اقدامات کئے جن کے ثمرات آج بھی جاری وساری ہیں۔

قابل ذکر ہے کہ آج جدید ہندوستان کے تقریباً تمام مؤقر تعلیمی ستون مولانا آزاد کے ہی کے تشکیل کردہ یا تعمیر کردہ ہیں، یا پھر ان کی بتدریج ترقی ان کی کاوشوں اور سرپرستی کی رہین منت ہے، خواہ وہ یونیورسٹی گرانٹس کمیشن (یوجی سی) ہو یا دیگر ثقافتی، تمدنی، ادبی و سائنسی ادارے، یہ تمام تر مولانا کے ذہن رساں کی پیداوار ہیں، اور آج ان کی بیش قیمت وراثت کی حیثیت رکھتے ہیں۔

انجمن ترقی اردو (ہند) سے مولانا آزاد کی وابستگی، ذاتی اور جذباتی نوعیت کی تھی، ۱۹۰۳ء میں انجمن کے قیام کے دن سے اپنے وقت آخر تک وہ اس تنظیم سے مستقلاً وابستہ رہے، انہوں نے اپنے اخبار ''لسان الصدق'' کو عملاً انجمن کا ترجمان بنادیا تھا، اس کے بعد بھی وہ مسلسل اس ادارے کی سرپرستی کرتے رہے، آزادی کے بعد جب انجمن کسمپرسی وغیر یقینی حالات کا شکار ہوئی تو مولانا نے نہ صرف وزارت تعلیم سے اس کی عمارت کے لئے ایک خطیر رقم منظور فرمائی بلکہ اس کی مستقل سالانہ امداد کا اہتمام بھی کردیا، انہوں نے ذاتی دلچسپی لیکر اور کڑی نگرانی کراکے بابائے اردو مولوی عبدالحق کو انجمن کی جملہ املاک، نیز کتابوں کا ذخیرہ پاکستان منتقل کرنے سے باز رکھا اور اسکا صدر دفتر دہلی سے علی گڑھ منتقل کرادیا، پھر انجمن کے پرچم تلے کل ہند اردو کانفرنس منعقد کرائی۔

مولانا آزاد نے اردو کے مقدمے کو بڑے ہی پرزور، مؤثر اور مدلل طریقے سے ۱۵/ فروری ۱۹۵۸ء کو انجمن ترقی اردو (ہند) کے ذریعہ انعقاد پذیر کل ہند اردو کانفرنس میں پیش کیا تھا، اپنی وفات سے محض ایک ہفتہ قبل مولانا نے اس اجلاس میں بڑی وقیع وبسیط تقریر ارشاد فرمائی تھی، جو اس امر کی متقاضی ہے کہ اس کا مکمل متن شامل عبارت کیا جائے، تاہم بہ لحاظ اختصار اس کی صرف چند سطریں حاضر ہیں: ''تیس چالیس سال پہلے زبان کے بارے میں یہ جھگڑا تھا کہ ملک کی زبان کیا ہو؟ جو اردو کے حامی تھے وہ چاہتے تھے کہ اردو ملک کی زبان ہو اور جو ہندی کے حامی تھے ان کی خواہش تھی کہ ہندی ہو، یہ معاملہ اس وقت گہرائی تک پہنچ گیا تھا؛ کیونکہ دونوں زبانیں ایک دوسرے کی رقیب بن کر کھڑی ہوگئیں تھیں، ملک آزاد ہوا، دستور بنا، اسمبلی میں بحث ہوئی اور اکثریت کے ساتھ ہندی کو ملک کی زبان تسلیم کرلیا گیا، جس کے نتیجے میں اردو کی حیثیت میں ایک بنیادی انقلاب آگیا؛ لیکن اردو کی جو جگہ ہے اسے ملنی چاہئے''۔(۱)

(۱) آزاد کی تقریریں مرتبہ عارف انور ۱۹۶۱ء۔

اس کانفرنس میں مولانا آزاد نے اردو کا پرجوش وپرزور دفاع کیا، اس کی مدلل وکالت کی، اور اسی اجلاس میں پنڈت نہرو سے اردو کی حمایت کا واضح اقرار واعلان بھی کرادیا، پنڈت نہرو نے اس کانفرنس کا افتتاح کیا تھا، سوئے قسمت کہ اردو کی یہ کانفرنس مولانا کی حیات کا آخری اجتماع ثابت ہوئی، جس میں انہوں نے اردو کا مقدمہ پیش کیا تھا۔

دراصل آزادی کے بعد مولانا آزاد نے اردو کے حق کی جنگ از سرنو شروع کی تھی، انہوں نے یہ موقف اختیار کیا تھا کہ ہندی کے منصب ومرتبے پر حرف نہ لاتے ہوئے اردو کے جائز حق کا مطالبہ کیا جائے، اور اس کو اس کا وہ مقام دلایا جائے جس کی وہ سزاوار ہے، روایتی طور پر بھی اور قانوناً بھی، بحیثیت ایک علمی، معاشرتی واستعمالی زبان کے اردو کی بقا اور اس کے فروغ کے لئے مولانا آزاد کی خدمات بنیادی نوعیت کی ہیں اور تاریخی اہمیت کی حامل، دراصل وہ اس راز سے واقف تھے کہ اگر آزاد ہندوستان میں روزگار کے ساتھ اردو کا دیرینہ تعلق برقرار نہ رہا تو اس کی بقا وزیست کی ضمانت نہ دی جاسکے گی، اس لئے انہوں نے ایسے عملی اقدام کئے کہ اردو کی تدریس رائج الوقت نظام تعلیم کا جزو لازم بن جائے۔

اردو کے لئے سہ لسانی فارمولے کی تجویز

اولین وزیر تعلیم کی حیثیت سے جب انہوں نے ایک جدید نظام تعلیم کا خاکہ مرتب کیا تو اردو کا التزام رکھا، انہوں نے سرکاری تعلیمی اداروں میں اردو تعلیم کی گنجائش نکالنے کے لئے سہ لسانی فارمولے کی تجویز پیش کی اور ہندی انگریزی کے ساتھ تیسری زبان کے طور پر اردو کو اس کا حصہ بنایا، ان کا مطمح نظر تھا کہ کم از کم شمالی ہند، جہاں ہندی کے علاوہ کوئی علاقائی زبان نہ تھی، اور بالخصوص اتر پردیش اور بہار میں جو کبھی اردو کے قلعے تھے، وہاں اردو کی تعلیم صرف مسلمانوں کے لئے ہی نہیں بلکہ سب کے لئے لازم وملزوم بن جائے،

دراصل یہ ایک طویل مدتی منصوبہ تھا اور مولانا کی فراست ومعاملہ فہمی کا ایک اعلی وارفع نمونہ جس کے عملی وافادی نتائج چند برسوں بعد سامنے آتے، اور وقت کے ساتھ مستقل ہوجاتے، مگر افسوس کہ ان کی عمر نے وفا نہ کی اور ان کے جانشینوں نے اس طرف چنداں توجہ نہ کی، سہ لسانی فارمولہ آج بھی موجود ہے مگر اس کے توسط سے اردو کو برائے نام ہی فیض حاصل رہا ہے، کیونکہ تیسری زبان کے نام پر سنسکرت کو مسلط کردیا گیا ہے، اس طرح مولانا کی منصوبہ بندی ودوربینی کا بنیادی مقصد ہی فوت ہوگیا اور ان کا خواب نامکمل رہ گیا، بقول شخصے شکست وفتح تو نصیبوں سے ہوتی ہے مگر جہد مسلسل اور اخلاص نیت شرط ہے، اور مولانا سے اس باب میں کبھی کوئی کوتاہی نہیں ہوئی، اردو کے تئیں مولانا آزاد کی خدمات عالیہ سے انکار کفر ہے، اردو کے تعلق سے مولانا کی عطا اور ان کی عظمت کو سلام۔

اردو کے تحفظ کے لئے مولانا آزاد کی مساعی جلیلہ

اردو کے تحفظ وترقی کے لئے مولانا آزاد کی مساعی جلیلہ بڑی حد تک ملی اداروں کی بقا کی ضمانت، ان کی حیات دوام اور ان کے تحفظ کے مستقل اہتمام سے عبارت تھیں، ملک کے طول وعرض میں قائم دینی مدارس بشمول دارالعلوم دیوبند، ندوۃ العلماء، دارالمصنفین اعظم گڑھ، دائرۃ المعارف عثمانیہ حیدرآباد، رضا لائبریری رام پور، خدابخش لائبریری پٹنہ، کتب خانہ ٹونک اور انجمن ترقی اردو ہند کے علاوہ انہوں نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کی بقا، نشو ونما، فروغ اور پائیدار تحفظ کے لئے بڑے منصوبہ بند، دانش ورانہ اور دوررس نتائج کے حامل اقدام کئے، جن کی تفصیل کتابوں میں مذکور ہے۔

درحقیقت مذکورہ بالا تمام ادارے مولانا آزاد کے بروقت وباضابطہ نظم کے طفیل نہ صرف برقرار رہے بلکہ اب بھی قائم اور فروغ پذیر ہیں، مولانا آزاد کے ذریعہ مذکورہ بالا اداروں کی امداد اور سرپرستی کا ذکر ابوسلمان شاہجہاں پوری نے اپنی تصنیف ''اردو کی ترقی

میں مولانا آزاد کا حصہ'' میں تفصیل سے فرمایا ہے، ان کا ایک مختصر اقتباس پیش ہے :

''حضرت مولانا ابوالکلام آزاد کے یہ تمام اقدامات ومساعی علوم وفنون سے ان کی دلی وابستگی کے عناوین اور اردو کی ترقی کیلئے بنیادی سروسامان کی حیثیت رکھتے ہیں''۔(۱)

جہاں میں اہل ایماں صورت خورشید جیتے ہیں
اِدھر ڈوبے اُدھر نکلے، اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے

(۱) اردو کی ترقی میں مولانا آزاد کا حصہ: اشاعت اول، ناشر انجمن ترقی اردو ہند ۱۹۸۸ء۔

چھٹا باب

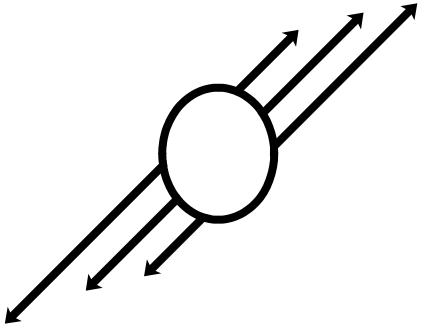

بعض تحریکیں

فلسطین کے حل کے امکانات ☆

فلسطین اور اس کا محل وقوع

''فلسطین'' ملک شام کے مغربی جنوبی حصے کو کہا جاتا ہے، یہ براعظم ایشیاء کے مغرب میں، بحرابیض متوسط کے ساحل پہ واقع ہے، اس کی حیثیت براعظم ایشیاء وبراعظم افریقہ کے درمیان ذریعہ ارتباط کی ہے، اس کی خصوصیت یہ بھی ہے کہ یہ یورپ سے بھی قریب ہے، اس کے شمال میں لبنان، شمال مشرق میں سیریا، مشرق میں اردن اور جنوب میں مصر واقع ہے، اس کی متعارف سرحدوں کے حوالے سے اس کا کل رقبہ ۲۷۰۰۰ (ستائیس ہزار) مربع کلومیٹر ہے، یہاں کی آب وہوا معتدل ہے، اور بحرابیض متوسط کا سارا خطہ ہی معتدل آب وہوا والا شمار کیا جاتا ہے، سرزمین فلسطین دنیا کے قدیم ترین تہذیبی علاقوں میں سے ایک ہے، جدید ترین دریافت کے مطابق ۹؍ ہزار سال قبل مسیح، استحکام وزراعت کی زندگی کی طرف سب سے پہلے انسان نے یہیں اپنی منزل طے کی تھی، اسی کی گود میں دنیا کا قدیم ترین شہر ''اریحا'' معرض وجود میں آیا تھا، یعنی ۸؍ ہزار سال قبل مسیح، ہنوز ارض فلسطین مختلف تہذیبوں کا گہوارہ ہے۔

فلسطین ارض مقدس ہے

فلسطین ارض مقدس ہے، یہ قبلہ اول اور ثالث الحرمین ہے، قرآن مجید میں پانچ مرتبہ لفظ ''بارکنا'' اس جگہ کے لیے استعمال ہوا ہے، اور پانچوں مرتبہ یہ لفظ شہر قدس سے متعلق ہے، نماز فرض ہونے کے بعد ۱۶؍ ماہ تک مسجد اقصی کی طرف رخ کرکے نماز پڑھی گئی،

☆ یہ مضمون ''الاخبار'' بھٹکل کے خصوصی شمارہ ''فلسطین'' نمبر کے لئے لکھا گیا تھا۔

اسراء ومعراج کا واقعہ بھی اسی سرزمین سے متعلق ہے، اسی سفر میں رسول خدا نے تمام انبیاء کی امامت کی، یہ سرزمین انبیاء وصالحین کی پناہ گاہ رہی ہے، شہداء کے خون سے کوئی اسلامی سرزمین اتنی لالہ زار نہیں ہوئی جتنی سرزمین اسراء ومعراج ہوئی ہے، جہاں یہ سب حقائق ہیں اور اس کی برکتیں مسلمہ ہیں، وہیں یہ بھی المیہ ہے کہ یہ مقدس سرزمین آج دشمنوں کے نرغے میں ہے۔

ایک ہوجائیں تو بن سکتے ہیں خورشید مبیں

فلسطین کے حالات حاضرہ کو دیکھتے ہوئے یہ بات صاف محسوس ہوتی ہے کہ اسلامی دفاعی طاقت مادی اعتبار سے بھی اور ایمانی وروحانی اعتبار سے بھی دشمن کے مقابلہ میں بہت کم ہے، اس لیے جب تک تمام اسلامی طاقتیں ایمانی وروحانی اعتبار سے متحد وہم آہنگ نہ ہوں گی، اس وقت تک مسلمان خاص طور سے فلسطینی مسلمان اپنے خلاف خطرات ومشکلات پر صحیح طور پر قابو نہ پاسکیں گے، اس لیے ضروری ہے کہ وہ ایک ہوجائیں، بلکہ دشمن کے مقابلہ میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جائیں:

ایک ہو جائیں تو بن سکتے ہیں خورشید مبیں
ورنہ ان بکھرے ہوئے تاروں سے کیا بات بنے

فلسطین پر قبضے کی تاریخ

۶۳۶ء میں مسلمانوں کا اقتدار شہر قدس پر ہوا، پھر ۹۹۰ء تک مسلمانوں نے اس کے تقدس کی حفاظت کی، اس کے بعد عیسائیوں نے ۱۰۹۹ء میں اس شہر مقدس کی تمام حرمتوں کو پامال کرتے ہوئے قبضہ کرلیا، آخر ایک صدی کی وحشت ناکیوں کے بعد خاندان کرد کے ایک مرد مومن سلطان صلاح الدین ایوبی (۱۱۳۷-۱۱۹۳ء) کے ہاتھوں ۱۱۸۷ء

میں پھر ارض مقدس اس کے امینوں کے ہاتھوں میں آ گئی، یہ سلسلہ چلتا رہا، دشمنان اسلام سازشیں رچتے رہے۔

(Tudar Herzel) ٹیوڈار ہرزیل نے ۱۸۹۷ء میں سوئیزرلینڈ میں پہلی بار یہودی وطن کے قیام کا منصوبہ پیش کیا اور آخر کار ۱۵ رمئی ۱۹۴۸ء کو مملکت اسرائیل قائم ہوگئی، اس طرح ساڑھے سات سو سال بعد فلسطین صلیبیوں اور صہیونیوں کے اتحاد اور مشترکہ سازشوں اور مسلمانوں کی کمزوریوں کے نتیجے میں ان کے ہاتھ سے نکل گیا اور پھر جون ۱۹۶۷ء میں ان بدباطنوں نے قبلہ اول مسجد اقصی کو بھی اپنے غاصبانہ قبضہ میں لے لیا، یہ ایک بڑی تلخ کہانی ہے، آج مسجد اقصی پر قبضہ ہوئے پچاس سال کا عرصہ ہو رہا ہے، مسلمان اپنی غفلت وکمزوریوں کے باوجود کوشش میں لگے ہیں، خدائے پاک پھر اس کو آزاد کرادے، آج ضرورت ہے کہ مسلمانوں کو بالعموم اور طالبان علوم نبوت کو بالخصوص اس سانحہ کی تاریخ اور اسباب عروج زوال سے واقف کرایا جائے اور فلسطین کے مسئلہ کے حل نکالنے کی کوشش کی جائے، اسی مناسبت سے پورے عالم میں پروگرام منعقد کرائے جا رہے ہیں، رسالے اور مضامین شائع کیے جا رہے ہیں، تاکہ مسلمانوں کو پچاس سالہ غاصبانہ دور کے بارے میں واقف کرایا جائے اور قبلہ اول کی بازیابی کے لیے ان کی ذمہ داریوں کو بتایا جائے۔

فلسطین پورے عالم اسلام کے مسلمانوں کا مسئلہ ہے

دراصل مسئلہ فلسطین صرف فلسطینی مسلمانوں کا ہی مسئلہ نہیں بلکہ یہ پورے عالم اسلام کے مسلمانوں کا مسئلہ ہے اور مسلمانوں کا اس سے تعلق ایک مذہبی فریضہ کی حیثیت رکھتا ہے، اس کے مسائل سے غفلت اور ناواقفیت ایک مسلمان کے لیے کسی بھی طرح مناسب نہیں، یہ اس وقت کا بہت حساس قضیہ ہے، اس کے حل کی ذمہ داری تمام اسلامی

ممالک کے حکمرانوں اور تمام مسلمانوں پر عائد ہوتی ہے، اس وقت مسلمان خواب غفلت میں ہے، جب یہ بیدار ہو جائے گا اور مسلمانوں میں کوئی صلاح الدین ایوبی ابھرے گا تو انشاء اللہ فتح وکامرانی مسلمانوں کی ہوگی اور دشمنان اسلام اور اس پاک سرزمین پر ناپاک عزائم رکھنے والے اور ناجائز قبضہ کرنے والوں کو منھ کی کھانی پڑے گی اور اس سرزمین سے ان کو اکھاڑ پھینکا جائے گا یا جہنم رسید کر دیا جائے گا۔

فلسطین میں مملکت اسرائیل کیلئے ایک غیر منطقی دلیل

فلسطین میں اسرائیلی ریاست کی تخلیق کی وجہ جواز کے طور پر یہ دلیل پیش کی جاتی ہے کہ فلسطین اصلاً یہودیوں کا قدیم وطن ہے، اس دلیل کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت موسی علیہ السلام کی وفات کے بعد بنی اسرائیل فلسطین پہنچے تھے اور ابھرتے ڈوبتے انہوں نے وہاں اسرائیل کے نام سے ایک ریاست بھی قائم کی تھی، پھر گردش زمانہ نے ان کو ہمیشہ کے لیے وہاں سے جلاوطن کر دیا، فلسطین میں مملکت اسرائیل کے جواز کے طور پر یہ دلیل بالکل غیر منطقی ہے، اس لیے کہ بیشتر انگریز مسیحی مؤرخین، عرب مؤرخین کی اس بات کو تسلیم کر چکے ہیں کہ یہودیوں سے پہلے یہاں عرب آباد تھے، اس کے علاوہ پوری انسانی تاریخ میں فلسطین میں یہودی، عیسائی اور مسلمانوں کے زمانہ قیام کا تجزیہ کیا جائے، تو اس سے بھی یہ بات واضح ہو جائے گی کہ مسلمان اور خصوصاً عرب مسلمانوں کا اس پر زیادہ حق ہے۔

برطانیہ، امریکہ اور جاپان بھی اصل باشندوں کے لئے خالی کرنے پڑیں گے

ان تمام باتوں سے قطع نظر اگر ہم یہ تسلیم کر بھی لیں کہ چونکہ چھٹی صدی قبل مسیحی میں یہاں پر یہودی آباد تھے اور ان کی اسرائیل نامی ایک ریاست قائم تھی اور یہ کہ یہ سرزمین

ارض موعودہ ہے، اس لیے یہودیوں کو حق پہنچتا ہے کہ وہ فلسطینیوں کو نکال کر خود بس جائیں، اگر اس منطق کو مان لیا جائے تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ خالق اسرائیل برطانیہ، انگلستان کو اس کے اصل باشندے سیل کے لیے خالی کردے، امریکہ کو بھی ارض امریکہ اس کے اصل اور قدیم باشندوں سرخ ہندیوں کے لیے خالی کرنا پڑے گا، اس لیے کہ امریکہ نے ساڑھے آٹھ کروڑ سرخ ہندیوں کا قتل عام کرکے اس سرزمین کو ان سے چھینا ہے، اور جاپان کو بھی ارض جاپان اس کے قدیم باشندوں اینس کے لیے خالی کرنا ہوگا، اور اس طرح جدید عالم کا پورا نقشہ بدلنا ہوگا، اسپین کو بھی عربوں کے لیے خالی کرنا ہوگا، اگر یہ نہیں ہوسکتا تو مشرق وسطی کے بحران کا واحد حل یہ ہے کہ اسرائیل کو تحلیل کرکے سرزمین فلسطین اس کے اصل باشندوں عربوں کو لوٹا دیا جائے۔

المیہ فلسطین کی اساس یا اسرائیل کا سب سے بڑا خالق

تاریخ نے آج ثابت کردیا ہے کہ المیہ فلسطین کی اساس یا مملکت اسرائیل کا سب سے بڑا خالق ترکوں کے خلاف عرب بغاوت تھی، Balfour بالفور منشور مجوزہ ۱۹۱۷ء مملکت اسرائیل کی طرف پہلا قدم اور آج شرق اوسط بحران کی بنیاد ہے، لیکن ہم اس وقت کا جائزہ لیں گے جب یہ منشور صادر ہوا، اس وقت خلافت عثمانیہ کی کیا پوزیشن تھی، عرب قیادت کا اس میں کیا رول تھا، بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس بحران کا خالق اصلاً عرب قیادت ہی تھی۔

عرب قیادت کی تاریخی غلطی

یورپ بلکہ ایشیاء اور شرق اوسط سے خلافت عثمانیہ کے خاتمہ کی سازش مسیحی قوتیں صدیوں سے کررہی تھیں، پہلی جنگ عظیم سے بہت پہلے یورپ نے ترکی کے خلاف محاذ

کھول دیا تھا، جس میں برطانیہ پیش پیش تھا، متحدہ بلقان، بلغاریہ، سربیا اور یونان میں ترکوں کے خلاف بغاوت کرائی گئی، ۱۹۰۴ء سے ۱۹۴۰ء تک یورپ کے اکثر خطے ترکوں کے ہاتھ سے نکل گئے، ایسے حالات میں ترکوں کی شاندار خدمات، خلافت عثمانیہ کے ذریعہ اسلام کی بالادستی، خلفاء ترکی کا حرمین کی طرف انتساب پر فخر اور یورپین ممالک کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر باتیں کرنے کے عزم کا تقاضہ تو یہ تھا کہ پورا ملک عرب بیک آواز ترکی کی حمایت کے لیے کھڑا ہوجاتا؛ لیکن برا ہو قومی عصبیت اور سلطنت وریاست کی حرص وطمع کا، جس نے عرب قیادت کے سربراہ شریف مکہ کو مجبور کیا کہ وہ نہ صرف یہ کہ ترکوں کی حمایت نہ کریں بلکہ ترکوں کے خلاف بغاوت، خلافت عثمانیہ کے خاتمہ اور ترکوں کو تہ تیغ کرنے کے لیے سازش کریں اور ترکوں کو زیر کرنے کیلئے برطانیہ اور ان کے اتحادیوں کو دعوت دیں، ۱۹۱۵ء سے ۱۹۱۷ء تک شریف مکہ اور برطانیہ کے درمیان شریف مکہ کے تینوں بیٹے سفارت کا کام کرتے رہے، برطانوی فوجی ملازم لارنس آف عربیہ ایک طرف برطانیہ کا جاسوس تھا، دوسری طرف وہ عربوں کا دوست ناصح بنا بیٹھا تھا، وہ عربوں کی سرگرمیوں کی رپورٹ برطانیہ کو دیتا اور پھر ان کی ہدایت وایماء کے مطابق فیصلے کرنے پر عرب قیادت کو مجبور کرتا، شریف مکہ کو یہ باور کرایا گیا کہ ترکوں کے خاتمہ کے بعد ایک آزاد عرب خلافت ان کے حصہ میں آئے گی، چنانچہ عرب قیادت کھل کر ترکوں کے خلاف میدان میں آگئی، یورپین محاذ پر ترک ایسے ہی زخم خوردہ تھے، عرب بغاوت نے ان کی کمر توڑ دی اور آخر کار بالفور منشور سے چند دن پہلے برطانیہ نے فلسطین پر قبضہ کرلیا اور مجبوراً ۸؍دسمبر ۱۹۱۷ء کو ترکوں کو فلسطین سے نکلنا پڑا، اس لحاظ سے اگر بالفور منشور مملکت اسرائیل کی بنیاد ہے، تو عرب غلط قیادت بالفور منشور کے وجود کا سبب ہے، اس عرب اور یورپ دوستی کا افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ شریف مکہ کو جس آزاد ریاست کا خواب دکھلایا گیا، وہ کبھی شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکا، عرب قیادت کی یہ ایسی تاریخی غلطی ہے جس پر تاریخ اس کو کبھی معاف نہیں کرے گی۔

مسئلہ فلسطین کا حل کیسے ممکن ہے؟

فلسطین کا مسئلہ اس وقت تک نا قابل حل رہے گا جب تک عرب قیادت شریف مکہ جیسے لوگوں کے ہاتھ میں رہے گی، خود فلسطین میں ایسے لوگ اپنی قیادت کو ثابت کریں گے جن کا اسلام اور فلسطینی مسلمانوں کی ہمدردی سے دور کا بھی واسطہ نہیں، اور مملکت اسرائیل اس وقت تک پھلتا پھولتا رہے گا، جب تک لارنس آف عربیہ جیسے غدار جاسوس مسلم قیادت کا مشیر اور خیر خواہ بنا رہے گا، جائزے، تجزیے اور رپورٹیں موصول ہو رہی ہیں، کہ مملکت اسرائیل اندرونی طور پر بکھر رہا ہے اور یہ کوئی بعید نہیں، اور اس کا ظلم اور اس کی بربریت اور جارحیت حدوں کو پار کر کے آسمانوں کو چھو رہی ہے، اس لیے "وَلِلّٰہِ جُنُودُ السَّمٰوٰتِ وَالأَرْضِ" (۱) خالق کائنات مداولت فی الارض کے قانون کے تحت مملکت اسرائیل کو لمحہ بہ لمحہ زوال کے قریب لے جا رہا ہے، سوچنے کی بات یہ ہے کہ مستقبل کا مؤرخ ہمارا اور موجودہ عرب وغیر عرب مسلم قیادت کا شمار کس فہرست میں کرے گا، شریف مکہ یا لارنس آف عربیہ کی فہرست میں، یا پھر ان غیوروں کی فہرست میں جن کو تاریخ شہرت دوام کا تاج زریں عطا کرتی ہے، یہ فیصلہ ہمارے ہاتھوں میں ہے، اور یہ بات بھی مخفی نہیں ہے کہ فلسطین کی آزادی، مسجد اقصی کی بازیابی، شہر قدس کی واپسی اور فلسطینیوں کی اپنے گھروں میں آ بسنے اور چین سے دوبارہ رہنے کے خواب کی تعبیر صرف اور صرف جہاد مقدس، مخلصانہ مزاحمت اور سرفروشانہ جدوجہد ہی سے نکل سکتی ہے، اس کے سوا سارے راستے گہری کھائی میں جا کر گرتے ہیں، جس میں لڑھک جانے کے بعد اس سے نکلنے کی کوئی امید نہیں، یہ ایسی سچائی ہے جو نہ صرف یہود و اہل صلیب کے حوالے سے، مسلمانوں کے تاریخی تجربے سے ثابت ہے بلکہ فلسطین کے اس مسئلے کا از اول تا آخر جائزہ (جو یہود و اہل صلیب کی یگانگت اور فرزندان اسلام اور خود اسلام کے تئیں ان کی نہ ختم

(۱) سورۂ فتح آیت ۷

ہونے والی عداوت کی کوکھ سے پیدا ہوا تھا) بھی اسی حقیقت کی اتنی بار اور اتنے طریقوں سے تصدیق کرتا ہے کہ ان کے بیان کے لیے الفاظ ساتھ نہیں دیتے۔

آج مسلمانو! کے ایمان کامل کی ضرورت ہے

اس لیے فلسطین کے حل کے امکانات اسی صورت میں ہیں جب کہ مذکورہ لائحہ عمل کو اپنایا جائے اور مسلمان اپنی زندگی میں مکمل طور پر اسلام اور ایمان کو جگہ دے؛ کیونکہ اللہ تعالی کا ارشاد گرامی ہے "وَأَنْتُمُ الأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ" (۱) کہ تم ہی سربلند ہوں گے اگر تم سچے پکے مسلمان ہو، پھر کیا بات ہے کہ مسلمان اتنے دن سے مزاحمت کر رہا ہے، لیکن کامیابی نہیں مل رہی ہے، اس کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ سربلندی اور کامیابی کے لیے جس ایمان کی ضرورت ہے، اس سے مسلمان عاری اور خالی ہیں، رہا مسئلہ مسلم حکمرانوں اور اسلامی حکومتوں کا، تو اگر تجزیہ کیا جائے، تو وہاں بھی ایمان والے ہتھیار کی کمی ہے، ورنہ کیا بات ہے کہ مٹھی بھر اسرائیل، مٹھی بھر یہودی دنیا بھر کے ایک ارب سے متجاوز مسلمانوں کیلئے سردرد بنے ہوئے ہیں، کیا مسلمانوں اور اسلامی حکومتوں اور مسلم حکمرانوں کے پاس مادیت کی کمی ہے؟ یا فوج کی کمی ہے؟ یا اسلحہ اور ہتھیاروں کی کمی ہے؟ یا اعلی دماغ کی کمی ہے؟ نہیں! نہیں! کسی چیز کی کمی نہیں ہے، اگر کمی ہے تو ایمان کی، اللہ پر ایمان پختہ نہیں، اللہ پر توکل مکمل نہیں، اللہ کی ذات پر بھروسہ نہیں، مادی چیزوں پر ایمان ہے، امریکہ پر ایمان ہے، مصلحت بینی پر ایمان ہے، اگر بدر میں اللہ تعالی مٹھی بھر صحابہ کو کافروں کے ایک مسلح جتھے اور لشکر جرار کے سامنے فتح کر سکتا ہے، تو دنیا کے ایک ارب مسلمانوں کی ایمانی غیرت کہاں چلی گئی:

آج بھی ہو جو براہیم سا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا

(۱) سورۂ بقرہ آیت ۱۳۹۔

مادی، سیاسی روحانی اور ایمانی طاقت بھی ضروری ہے

دیکھئے مسائل کے حل کے لیے سیاسی اور فوجی طاقت بھی ضروری ہے، جہد مسلسل اور جہاد وقربانی کی بھی ضرورت ہے اور مسلمانوں کے باہم متحد ہونے کی بھی؛ لیکن یہ سب تفصیلات اور تشریحات ہیں، اصل اور کلیدی ضرورت قوت ایمانی اور کامل ایمان کی ہے، جب ایمان کامل ہوگا تو ساری چیزیں اپنی ڈگر پر صحیح آجائیں گی اور دنیا کی کوئی طاقت مسلمانوں کو مٹا نہیں سکے گی، یہ دور مسلمانوں کے امتحان کا ہے، جس میں وہ فیل ہورہے ہیں، اگر یہ اپنے امتحان میں پاس ہوجائیں، تو دنیا کی کوئی طاقت ان کی طرف انگلی نہیں اٹھا سکتی، اور ایک فلسطین ہی نہیں مسلمانوں کے تمام مسائل کا حل ہوجائے گا، انشاء اللہ۔

ندوۃ العلماء لکھنؤ ایک مثالی تحریک☆

ندوۃ العلماء کی تاسیس

تحریک ندوۃ العلماء، دارالعلوم دیوبند اور مدرسۃ العلوم علی گڈھ کے بعد وجود میں آئی، گویا ندوۃ العلماء کی تاسیس اس وقت ہوئی جب کہ قدیم وجدید مکتب خیال کی دونوں تحریکوں کی سرگرمیوں کو برسوں بیت چکے تھے، دیوبند کے قیام کو ۲۶/سال ہوچکے تھے۔ اور علی گڈھ کا ایم، اے، او کالج اپنی عمر کی ۱۸/ویں منزل پوری کررہا تھا، ندوۃ العلماء کی تحریک کا آغاز ہجری اعتبار سے اب سے تقریباً ایک سو پچیس سال پہلے ۱۳۱۰ھ م ۱۸۹۲ء میں ہوا تھا۔

چودھویں صدی ہجری کی سب سے زیادہ سنجیدہ ہمہ گیر، صالح، علمی اور اصلاحی تحریک

ندوۃ العلماء کی تحریک چودھویں صدی ہجری کی سب سے زیادہ سنجیدہ، ہمہ گیر اور صالح علمی واصلاحی تحریک تھی، جو اس صدی کی ابتداء میں عالم اسلام میں شروع ہوئی، ہمیں کسی ایسی تعلیمی تحریک کا علم نہیں جو اتنے گہرے مطالعہ، وسیع نظر اور ایسے ٹھوس تاریخی وعلمی حقائق پر مبنی ہو اور مسلمانوں کی فکری وعملی زندگی اور تربیت میں اتنے دوررس نتائج اور اثرات رکھتی ہو، اسلامی ممالک کے قدیم وجدید ادارے اور تعلیمی مراکز ابھی تک علمی جامعیت، قدیم وجدید کے امتزاج اور اصلاح وتجدید نصاب کے اس متوازن اور بلند تخیل تک نہیں پہنچ سکے جہاں تک ندوۃ العلماء کے مخلص اور بالغ نظر بانی اور ارکان چودھویں صدی کی ابتداء میں پہنچ گئے تھے، اگر ہمارے علمی حلقے اور عام مسلمان اس تحریک کا شایان شان استقبال

☆ یہ مضمون مدرسہ ضیاء العلوم میدان پور رائے بریلی کی بزم مقالات میں پڑھنے کے لئے ۱۳/۱۲/۹۴ء کو تحریر کیا گیا تھا، جو بعد میں ماہنامہ ''نقوش اسلام'' کے مئی ۲۰۰۶ء کے شمارے میں طبع ہوا۔

کرتے اوراس تخیل کے ظہور میں آنے کا سامان ہوجاتا تو دین ودنیا کی وہ تفریق اورقدیم وجدید حلقوں میں وہ تفاوت اور بعد ظہور میں نہ آتا جواس وقت اسلامی ممالک میں نظر آرہا ہےاورمسلمانوں کی زمام کار اہل دین وصاحب علم جماعت کے ہاتھ سے نکل کر غیر دینی عنصر کے ہاتھ میں نہ جانے پاتی۔

ندوۃ العلماء کی تاسیس کے موقع پر موجود
مایۂ نازاسلاف امت

ندوۃ العلماء کی تحریک جس کا ابتدائی تخیل سب سے پہلے حضرت مولانا سید محمد علی مونگیریؒ نے ۱۳۱۰ھ م ۱۸۹۲ء میں مدرسہ فیض عام کانپور کے ایک سالانہ جلسہ میں پیش کیا جس میں باکمال نفوس جلوہ افروز تھے، خاص طور پر حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب مدرس دارالعلوم دیوبند، شیخ الہند حضرت مولانا محمودالحسن صاحب مدرس اول دارالعلوم دیوبند، استاذ الاستاذہ حضرت مولانا محمد لطف اللہ صاحب علی گڈھی، حضرت مولانا نور محمد صاحب پنجابی صدر مدرس مدرسہ اسلامیہ فتح پور، حضرت مولانا حکیم فخر الحسن صاحب گنگوہی وغیرہ۔

تحریک ندوہ کے مقاصد

اس تحریک کے پیش نظر ابتدا میں دومقاصد تھے:

(۱) علوم اسلامیہ کے نصاب درس میں دوررس اور بنیادی اصلاحات اور نئے نصاب کی تیاری۔

(۲) رفع نزاع باہمی یعنی اتحاد ملی اوراخوت اسلامی کے جذبات کوفروغ دینا۔

تحریک ندوۃ العلماء جوں جوں آگے بڑھتی رہی، اس نے اپنے دائرۂ کار اور بنیادی مقاصد میں بھی اضافہ کیا، اب گویا تحریک ندوۃ العلماء کے چار بنیادی مقاصد قرار پائے

جن میں سے دو یہ ہیں:

۱- ایسے علماء پیدا کرنا جو کتاب وسنت کے وسیع وعمیق علم کے ساتھ جدید حالات سے بخوبی واقف اورزمانہ کے نبض شناس ہوں۔

۲- اسلامی تعلیمات کی اشاعت بالخصوص برادران وطن کواس کی خوبیوں سے روشناس کرانا۔

ندوہ کی تحریک کی خصوصیات

۱- ندوہ کی تحریک کی اساس (علی گڈھ کی تعلیم جدید اورتہذیب مغربی کی دعوت اورملک کی دوسری تحریکوں کے برخلاف) خالص دینی تھی لیکن اس میں مسلمانوں کے تنزل کا اصل سبب دین سے انحراف اورصحیح دینی تعلیم سے محرومی کوقرار دیا گیا تھا اوراس کوملت کے درد کا مداوا اوراصلاح وترقی کا واحد راستہ تسلیم کیا گیا تھا۔

۲- ندوہ کی اس تحریک میں طبقۂ علماء کو (جوشریعت اسلامی کا حامل وامین، کتاب وسنت کا شارح وترجمان اور اسلام کا اصل نبض شناس ہے) مرکزی مقام دیا گیا ہے اوراسی کو امت کی تعمیر وتخریب، ترقی وتنزل اور اصلاح وافساد کا اصل ذمہ دار قرار دے کر اپنی دعوت وجدوجہد کا محور بنایا گیا ہے، کہ امت میں اصلاح حال کی کوشش حقیقی طور پر اس وقت تک کامیاب نہیں ہوسکتی جب تک علماء اس کے داعی اور علمبردار نہ بنیں اوران میں امت کی رہنمائی وقیادت کی صلاحیت پیدا نہ ہو، اس کے لیے ایک طرف دینی علوم پر حاوی اور کتاب وسنت کا رمز شناس ہونے کی ضرورت ہے، دوسری طرف حالات زمانہ اور جدید ضرورتوں سے واقفیت کی۔

۳- اس تحریک کا اولین بنیادی مقصد رفع نزاع باہمی تھا جس کا تعلق سب سے پہلے علماء کے مذہبی وفقہی نزاعات واختلافات سے تھا، جس نے علمی تحقیق ومباحثہ سے آگے بڑھ کر مجادلے اور مجادلے سے بڑھ کر مقاتلے، عدالتی چارہ جوئیوں، فوجداریوں اور باہمی

تذلیل وتضلیل بلکہ تکفیر وتفسیق کی شکل اختیار کرلی تھی اور سارا ہندوستان اس کی وجہ سے ایک مذہبی دنگل بنا ہوا تھا۔

۴-اس تحریک کا مزاج (سیاسی وہنگامی کے بجائے) علمی وفکری تھا۔

۵-ندوۃ العلماء کی تحریک کا آغاز اصلاح وترقی نصاب کے کام سے ہوا تھا۔

۶-ندوہ کی اس تحریک نے اپنے زمانہ میں قدیم وجدید کی جو دعوت دی اس کو ایک ایسے نازک پل صراط سے تشبیہ دی جاسکتی ہے، جس کی ذرا سی لغزش پا آدمی کو کہیں سے کہیں پہنچا دیتی ہے، یہاں ''نزدیکاں رابیش بود حیرانی'' والا معاملہ ہے، اگر کوئی یہ اعتراض کرتا ہے کہ اتنے مشکل اور نا قابل عمل نصب العین کو اختیار کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ تو اس کو سمجھنا چاہئے کہ یہ دشواری تو اسلام کے ذہن ومزاج سے عین مطابقت رکھتی ہے اور ایک مومن کو سارے عالم کے خلاف صف آرا ہونے کی دعوت دیتی ہے اور سب سے چھڑا کر ایک کا بناتی ہے۔

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دوعالم سے خفا میرے لیے ہے

ندوہ کی اب پہلے سے زیادہ ضرورت ہے

''ندوۃ العلماء'' اس خلا کو پر کرنے اور دل ودماغ کی اس مصنوعی غیر حقیقی اور غیر فطری علیحدگی کو ختم کرنے کے لیے وجود میں آیا ہے، وہ پورے خلوص، ہوش مندی، تحمل اور سنجیدگی کے ساتھ اس کے لیے جدوجہد میں مصروف ہے اور مسرت کی بات یہ ہے کہ اب اس کی آواز لوگوں کے لیے مانوس معلوم ہونے لگی ہے اور اس کی دعوت اور نصب العین کو ان حلقوں میں بھی پسندیدگی اور سنجیدگی کے ساتھ دیکھا جارہا ہے، جہاں ایک زمانہ میں اس کے ساتھ اجنبی اور ناپسندیدہ شخصیت کا سا معاملہ کیا جاتا تھا، ہمارے ملک کے حالات اور زمانہ کے انقلابات نے ہم سب کے لیے ایک اچھی فضا پیدا کردی ہے، اس لیے اس وقت

سلجھے ہوئے صاف ذہن اور احتیاط وسلامت روی اور صبر وضبط کے ساتھ منزل کی طرف تیزی کے ساتھ بڑھنا چاہئے ۔

غافل منشیں نہ وقت بازیست
وقت ہنر است وکار ساز است

یہ تھی ندوہ کی تحریک اور اس کے مقاصد کی ایک جھلک، یہ تاریخ کی ایک ایسی شمع کی کہانی ہے جو موجودہ ماحول کی تاریکیوں اور بدلے ہوئے حالات میں اب بھی فروزاں ہے اور جس کو تیز کرنے کی ضرورت اب پہلے سے زیادہ محسوس ہورہی ہے اور جس کی جلوہ افروزی اور دل آویزی اتنے دھندلکوں کے باوجود اب بھی اپنے پروانوں کو آگے بڑھنے کی دعوت دے رہی ہے اور ان کی سست گامی، نیم دلی اور کم ذوقی وکم کوشی پر افسردہ وحیران ہے۔

ندوہ کے دو شہپر

ندوۃ العلماء نے جو دعوت، نصب العین اور نظام عمل مسلمانوں کے سامنے پیش کیا تھا اور جس نے ان کے اندر زندگی کی ایک لہر پیدا کردی تھی وہ دعوت اور نصب العین ایک طرف علوم نبوت کا حامل وداعی اور شارح وترجمان اور مسلمانوں کی معاشرتی ودینی اصلاح، اتحاد ملی اور اخوت اسلامی کا آئینہ دار ہے اور دوسری طرف مغرب کے چیلنج کا ٹھوس اور عملی جواب بھی، یہ اس کے دو ایسے شہپر ہیں جو اس کی بلند اور نتیجہ خیز پرواز کے لیے ضروری ہیں، وہ نہ مرعوبیت کا قائل ہے نہ فرار کا داعی، نہ مغربی علوم اور مادی وسائل وترقیات کا بالکل منکر ہے، نہ اس کا مقلد جامد، وہ نہ ان علوم ووسائل اور صنعتی ترقیات سے بیر رکھتا ہے نہ ان سے مقاصد کا سا معاملہ کرنا چاہتا ہے، وہ مغربی تہذیب کی قوت ووسعت، جاذبیت اور اثر انگیزی کا معترف بھی ہے اور اس کے معنوی افلاس، باطنی ظلمت اور بے مقصدیت اور بے یقینی کی اس کیفیت سے بھی واقف ہے، جو یورپ کے حسین وجمیل مظاہر کے اندر پوشیدہ ہے اور جس نے اس کو حقیقی سکون، قلبی اطمینان اور باطنی

مسرت سے یکسر محروم کر رکھا ہے، ندوۃ العلماء کے یہ دوایسے بازو ہیں، جو اس کی متوازن ترقی وپیش قدمی کے لیے بے حد ضروری ہیں اور ان دونوں کے صحیح تناسب کو ملحوظ رکھنا ندوہ کے ہر طالب علم ہر ذمہ دار اور ہر بہی خواہ کا فرض ہے۔

ندوۃ العلماء لکھنؤ

قلب ودماغ کی دوئی کو ختم کرنے کیلئے وجود میں آیا

اگر کوئی سوال کرے کہ ندوۃ العلماء کے تخیل اور لائحہ عمل میں آخر وہ کیا ندرت یا عظمت ہے؟ جس کے لیے بار بار اور اس قدر اصرار اور قوت کے ساتھ دعوت دی جاتی ہے، اس کے نہ ہونے سے زندگی میں کیا خلا باقی رہ گیا تھا؟ آخر وہ کونسا کام ہے جو کہیں نہیں ہو رہا ہے اور جس کے لیے ندوۃ العلماء وجود میں آیا ہے؟ یہ سوال اور اسی طرح کے دوسرے ذیلی سوالوں کے لیے ہمارے پاس صرف ایک جواب ہے اور وہ یہ ہے کہ ندوۃ العلماء قلب ودماغ کی اس دوئی کو ختم کرنے کے لیے وجود میں آیا ہے جس کی وجہ سے مادیت او نفس پرستی ایک منہ زور اور بے لگام گھوڑے کی طرح ہوگئی ہے، جس کی دسترس سے دنیا کا کوئی اخلاقی اصول، کوئی شرافت اور کوئی ضمیر محفوظ نہیں اور ایثار وہمدردی، انسانیت وشرافت، محبت الٰہی، جذبہ خدمت اور انسان کے لطیف ترین احساسات وجذبات اور اعلی اقدار کو اس بھری دنیا میں منہ چھپانے کے لیے بھی کوئی جگہ نہیں مل رہی ہے۔

ندوۃ العلماء کی زبان وادب کا رشتہ اتصال

ندوۃ العلماء نے روز اول سے اس اہم حقیقت پر اپنی بنیاد رکھی ہے اور اس کے بانیوں، داعیوں، فرزندوں اور خادموں نے حتی الامکان اپنی زندگی اور سیرت وکردار اور اپنی جدوجہد اور دعوت سے اس کا عملی مظاہرہ کیا ہے، ندوۃ العلماء زبان وادب کا رشتہ اس زندہ اور دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ جوڑنا چاہتا ہے جو یقین واعتماد، توکل وتسلیم،

شوق آخرت، خشیت وانابت، محبت الٰہی اور عشق رسول ﷺ کی دولت جاوید سے مالا مال ہو، جس میں منزل کی لگن، انسانوں کا درد وسوز اور خدا ورسول کے لیے ہر قسم کی نفس کشی اور ایثار وقربانی کا لازوال جذبہ موجزن ہو، وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس رشتہ اور اتصال کے بعد ہی ان علوم وفنون اور ادبی وتاریخی خزانہ میں کوئی قیمت پیدا ہوسکتی ہے اور اس کے جوہر کھل سکتے ہیں اگر یہ نہیں تو یہ سب ''سودائے خام'' اور ''متاع بے اعتبار'' ہے۔

دار العلوم ندوۃ العلماء کے چند نمایاں پہلو

حضرت مولانا سید محمد علی مونگیریؒ، علامہ شبلی نعمانیؒ اور ان کے مخلص وعالی ہمت رفقا نے ندوۃ العلماء کو کامیابی کی جن منزلوں تک پہونچایا اور اس گلشن علم کو اپنے خون جگر سے جس طرح سینچا اس کی تفصیل طویل ہے، تاہم یہاں ندوۃ العلماء کے ماتحت قائم ہونے والے دار العلوم کے چند نمایاں پہلو پیش کرتے ہیں، یعنی مولانا مونگیری نے جو ''مسودہ دار العلوم'' کے نام سے پیش کیا اور اجلاس بریلی میں ۱۲؍محرم الحرام ۱۳۱۳ھ مطابق ۵؍جولائی ۱۸۹۵ء میں منظور کیا گیا، اس میں جو اہم مقاصد بیان کئے گئے تھے ان کو مختصراً تحریر کیا جاتا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ ''علوم دینیہ، فقہ اور علم کلام میں ملکہ تام ہونا، دنیا کے حالات سے واقفیت ہونا'' ان دونوں چیزوں پر حضرت مولانا کا خاص زور تھا، نیز مسودہ میں مولانا نے درجات، طریقہ، مدت تعلیم، ترتیب علوم، طلبہ کی اور اساتذہ کی رہائش اور نظام الاوقات کا بڑی تفصیل اور وضاحت کے ساتھ ایک جامع اور عملی نقشہ پیش کیا ہے اور دیگر چیزیں جو بہت ہی اہمیت کی حامل ہیں پیش کی، مثلاً ''ایک اسلامی لباس (یونیفارم) ہو، اسی کے ساتھ بعد نماز عصر تمام طلبہ کو گھوڑ سواری اور نشانہ بازی، بندوق چلانا، تیراکی اور اس قسم کی دوسری جسمانی ورزشوں میں حصہ لینا'' تزکیہ نفس کو اس خالص عملی اور انتظامی خاکہ میں مولانا نے فراموش نہیں کیا ہے، نیز عربی زبان کی مشق اور مہینہ میں ایک بار عربی زبان میں

مباحثہ ضروری قرار دیا ہے، سیاسی اور تاریخی موضوعات پر گھنٹے دو گھنٹے تقریر کی مشق کا خاص ذکر ہے، اس پر علماء کی طرف سے ہمت افزاء خطوط آئے، مثلاً حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ لکھتے ہیں:

’’مسودہ تعلیم کی تجاویز کلہا صحیح اور مناسب ہیں، ایسے عظیم الشان اور جلیل القدر دار العلوم کا وجود ذہنی سے وجود خارجی میں آنا موجد الموجودات کی قدرت کاملہ کے سامنے کوئی مستبعد امر نہیں‘‘۔

ندوہ کے اہم مختصر کارنامے

ندوۃ العلماء کی ایک سو پچیس سالہ زندگی کے جو کارنامے ہیں، ان کی بہت ہی طویل فہرست ہے، یہاں پر مختصراً تحریر کیا جاتا ہے۔

ندوۃ العلماء کے کارناموں میں سے ایک جا بجا اجلاس کا منعقد کرنا بھی ہے، جس سے عوام میں ندوۃ العلماء کا تعارف اور اسلامی بیداری پیدا کرنا اور بھٹکتی ہوئی انسانیت کو راہ بگیر کرنا، انسانیت کی روح پھونکنا اصل موضوع رہا ہے۔

ایک دوسرا کارنامہ وقت کی پکار وقت کے تقاضے کے مطابق اصلاح نصاب اور نصاب تعلیم کا ہے، یہ ایک ایسا کارنامہ ہے جس کو باعتبار مضامین کے تین خانوں میں تقسیم کیا گیا ہے، ایک علوم دینیہ، دوسرے لسانی مضامین، تیسرے علوم اجتماعیہ، نیز اس کو عرب ممالک نے بھی پسند کیا ہے اور اپنے نصاب تعلیم میں داخل کیا ہے۔

دار العلوم ندوۃ العلماء میں اس وقت طلبہ کی مجموعی تقریباً تعداد چار ہزار کے قریب ہے اور شہر لکھنؤ کے ملحقہ مدارس کے طلبہ کی کل تعداد ۵۵۰۰/سو ہے۔

ایک بڑا کتب خانہ علامہ شبلی کے نام سے ہے جس میں تقریباً ڈیڑھ لاکھ کتابیں اس وقت موجود ہیں۔

اس مرکزی کتب خانہ کے علاوہ ندوہ کے مختلف ہاسٹلوں دار الاقاموں اور کلیات میں الگ الگ نو کتب خانے موجود ہیں۔

ندوہ کا ایک کارنامہ دار القضاء الشرعی کا قائم کرنا ہے۔

ایک قابل ذکر کارنامہ شعبہ مرکز استفادہ ومطالعہ ’’المعہد العالی للدعوۃ والفکر الاسلامی‘‘ کا قائم کرنا ہے۔

ندوہ کا ایک اور اہم کارنامہ ہے کہ ندوہ نے ہندو بیرون ہند میں اپنے نصاب اور تعلیمی تخیل کی شاخیں قائم کی ہیں، ہندوستان میں تقریباً ۱۷۴/شاخیں ہیں اور غیر ممالک میں مثلاً قدح (ملیشیاء) میں دار التربیۃ الاسلامیہ کے نام سے، چاٹگام (بنگلہ دیش) میں دار المعارف الاسلامیہ کے نام سے، سنسری (نیپال) میں مدرسہ نور الاسلام کے نام سے، بنکاک (تھائی لینڈ) میں کلیۃ العلوم الاسلامیہ کے نام سے قائم ہیں، جنوبی افریقہ میں تو ایک ایسا مرکز قائم کیا ہے جو ندوہ کے تخیل کے مطابق مدارس قائم کرتا ہے، نیز اور بھی بہت سے مراکز قائم کئے ہیں۔

ندوہ کا یہ بھی ایک اہم کارنامہ ہے کہ ۱۹۸۵ء میں رابطۃ الادب الاسلامی بھی قائم کیا، اس کا شاندار آرگن اردو میں ’’کاروان ادب‘‘ سہ ماہی کے نام سے مؤقر رسالہ کی شکل میں نکلتا ہے۔

جہاں تک ندوہ کے تحریری صحافتی وثقافتی نیز تبلیغی ودعوتی کارناموں کا تعلق ہے تو ان میں بہت سے رسائل نکلتے ہیں، ان میں دو عربی رسالے ’’البعث الاسلامی‘‘ ماہنامہ اور ’’الرائد‘‘ پندرہ روزہ ہیں اور اردو میں پندرہ روزہ ’’تعمیر حیات‘‘ ہندی میں ’’سچا راہی‘‘ ماہنامہ اور انگریزی میں ’’دی فریگرنس آف ایسٹ‘‘ The Fragrance of East سہ ماہی شائع ہوتا ہے۔

ندوۃ کے احاطہ میں مجلس تحقیقات ونشریات اسلام بھی تقریباً ۵۰/سال سے قائم ہے،

جس نے اب تک مختلف علوم وفنون پر تحقیقی، علمی، ادبی، ثقافتی اور تاریخی تقریباً ۲۵۰/ کتابیں شائع کی ہیں۔

پیام انسانیت کا دفتر بھی قائم ہے، جو غیر مسلموں میں اسلام کے تعارف کا لٹریچر تیار کرتا اور غیر مسلموں سے علمی وثقافتی بنیاد پر رابطہ قائم کرتا ہے۔

شعبہ دعوت وارشاد سے مختلف اصلاحی ودعوتی کام کئے جارہے ہیں۔

شعبہ کمپیوٹر وانٹرنیٹ بھی سرگرم عمل ہے۔

ندوۃ العلماء کا ایک کارنامہ یہ بھی ہے کہ اس نے ایسی شخصیتیں پیدا کی جنھوں نے مختلف میدانوں میں ایسے کارہائے نمایاں انجام دئے کہ ان کے احسانات کو رہتی دنیا تک نہیں بھلایا جاسکتا ہے، ان میں سب سے زیادہ نمایاں شخصیت مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی ہے جنھوں نے امت کے ہر طبقہ کیلئے روحانی وعلمی غذا کا سامان فراہم کیا اور پوری امت اسلامیہ نے ان کو امام، مجدد، داعی، ادیب وخطیب ومفکر اسلام تسلیم کیا اور جنھوں نے ندوہ کا جہاں میں نام کیا حضرت مولانا تحریک ندوہ کے سب سے بڑے ترجمان ثابت ہوئے، عرب وعجم جہاں جہاں گئے اپنا یہی پیغام پہنچایا جو بڑا موثر ثابت ہوا۔

ندوۃ العلماء جن مقاصد کے تحت قائم ہوا تھا، الحمدللہ ان میں اس نے کافی حد تک کامیابی حاصل کرلی ہے، جو باقی ہیں ان کے حصول کی کوشش میں ذمہ داران لگے ہوئے ہیں۔

پڑھے لکھوں کی بعض غلط فہمیاں اور انکا ازالہ

ایک دوسرے کو سمجھنے کی کوشش کریں!

راقم سطور سہارنپور اور دیوبند کے علاقہ کا رہنے والا ہے، احقر کی کچھ تعلیم دیوبندی مکتب فکر کے مدرسوں میں ہوئی اور کچھ ندوۃ العلماء کے مکتب فکر میں اور تکمیل خود ندوہ میں ہوئی اور کچھ وقت تبلیغی جماعت میں بھی لگا، مجھے اپنی تعلیم کے دوران اور فراغت کے بعد تینوں مکاتب فکر کے لوگوں سے واسطہ پڑا ہے، اس لیے ان کے ساتھ جو باتیں پیش آئیں اور جو غلط فہمیاں محسوس ہوئیں، ان کو اس تحریر میں پیش کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، تاکہ غلط فہمیاں دور ہوں، اور حقائق سامنے آئیں، ایک دوسرے کو سمجھنے کی کوشش کریں، انشاء اللہ اس سے امت کی بنیادیں مضبوط ہوگی اور مسلمانوں میں اتحاد واتفاق قائم ہوگا، یہ تحریر غیر جانبدارانہ ہے، اللہ ہی خوب جانتا ہے۔

دیوبند اور ندوہ کا شجرۂ نسب ایک ہے

دیوبند اور ندوہ کے بعض فارغین افراط وتفریط اور غلو میں مبتلا ہیں، بعض قاسمی، ندوی حضرات کی تمام صفات کے قائل ہوکر بھی آخر میں ان کی بزرگی اور تصوف وروحانیت پر اعتراض کرتے ہیں، جب کہ بعض ندوی، قاسمی حضرات کو تنگ نظر، قدامت پرست گردانتے ہیں؛ حالانکہ نہ صرف یہ کہ دونوں کا شجرۂ نسب ایک ہے، بلکہ دونوں کا مقصد بھی ایک ہی ہے اور یہ دونوں اپنے مقاصد میں حتی الوسع کامیاب ہیں، راقم کے اکثر اساتذہ کرام قاسمی ہیں، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے میری فراغت ہوئی اور میری تعلیم کے

آخری چھ سال اسی ادارہ سے وابستہ رہے ہیں، مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب احقر نے اپنے رائپور کے زمانہ قیام میں ایک بزرگ سے دیوبند میں داخلے کی خواہش کا اظہار کیا تو انہوں نے اجازت نہیں دی۔

ندوہ کے متعلق بعض غلط فہمیاں

آئندہ سال جب ندوہ میں داخلہ کی خواہش ظاہر کی تو فرمایا کہ ٹھیک ہے، جاؤ! علی میاں کو خط لکھ رہا ہوں، چنانچہ یہ نامہ سیاہ ندوہ چلا گیا، بعض اساتذہ نے اپنے خطوط میں عقیدہ کی حفاظت وپختگی کی دعائیں دیں، بعض نے پرتکلف طریق تحریر سے بچنے کی نصیحت کی، بعض نے داخلہ سے پہلے یہ بتایا کہ ندوہ کی بنیاد انگریز نے رکھی ہے اور ندوہ میں انگریز کی قبر ہے، جو خاص موقعوں پر خاص لوگوں کو دکھائی جاتی ہے اور یہ بھی بتلایا کہ ندوہ کی دیوار پر اسٹیچو (Statue) رکھا ہوا ہے، لیکن یہ نامہ سیاہ جب ۱۴۱۴ھ کے ششماہی امتحان کی تعطیل میں لکھنؤ پہنچا تو مجھے ایسا کچھ نظر نہ آیا؛ بلکہ اس کے برخلاف مجھے یہ معلوم ہوا کہ اس کی بنیاد تو ایسے اکابر نے رکھی ہے جن سے قوم وملت کی اصلاح وتعمیر ہوئی ہے اور وہ جس کو انگریز کی قبر سمجھا جا رہا تھا، وہ ندوہ میں جمعیۃ الاصلاح کے سامنے پارک میں اونچا سا بنا ہوا گول دائرہ ہے جو محض پارک کو خوبصورت بنانے کے لیے بنایا گیا ہے، جہاں تک اسٹیچو کا تعلق ہے، تو چونکہ ندوہ کے برابر میں لکھنؤ یونیورسٹی کا آرٹ کالج ہے، جس کی باونڈری کی دیوار ندوہ کی باونڈری کی دیوار سے مل رہی ہے، وہ اسٹیچو دراصل اسی آرٹ کالج کی دیوار پر نصب ہے، مگر وہ دیکھنے والے کو شبہ میں ڈال دیتا ہے کہ شاید یہ اسٹیچو ندوہ کی دیوار پر نصب ہے۔

ندوہ میں تعلیم کے دوران اپنے علاقے کے ایک بزرگ سے ملاقات ہوئی، ان کے پوچھنے پر میں نے بتلایا کہ ندوہ میں پڑھ رہا ہوں، اتنا سن کر وہ کہنے لگے کہ وہاں پڑھ کر کیا

کروگے، وہاں پڑھ کر تو یہاں کی کتابیں نہیں پڑھا سکتے، اسی زمانے میں ہمارے علاقے کے ایک طالب علم نے بھی ندوہ کے حالات سے متاثر ہوکر ندوہ جانے کا پروگرام بنایا اور اس سلسلہ میں انہوں نے اپنے ایک استاذ (جس کو وہ مخلص سمجھتے تھے) سے مشورہ طلب کیا، تو انہوں نے برجستہ کہا کہ مسعود نے پٹی پڑھائی ہوگی، خیر لکھنؤ کے زمانہ طالب علمی میں اساتذہ راقم سطور کی وضع قطع، چال چلن اور ڈاڑھی مکمل ہونے پر مطمئن رہے۔

راقم اسلاف امت اور اہل سنت والجماعۃ کا متبع ہے

فراغت کے بعد بعض دوستوں نے احقر کی وضع قطع پر اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ماشاء اللہ ویسے تو سب کچھ ٹھیک ہے؛ لیکن اگر دارالعلوم دیوبند میں کچھ وقت لگادیتے تو بات ہی اور ہوتی، کہ سمندر کی کچھ چھینٹیں لگ جاتیں، اس پر میں نے کہا بھائی میں نہ دیوبندی ہوں نہ ندوی، بس ندوی اس لیے لکھتا ہوں کہ وہاں سے رسمی طور پر میری فراغت ہوئی ہے، ورنہ میں دراصل مسلمان ہوں، قرآن وحدیث کو مانتا ہوں، اسلاف امت اور اہل سنت والجماعۃ کا متبع ہوں، ان کو میری بات بہت پسند آئی، اس کے بعد میں نے ان سے معلوم کیا کہ بھائی کیا مطلب کچھ چھینٹیں لگنے کا، تو انہوں نے بتلایا کہ کچھ روحانیت وتصوف آجاتا؛ لیکن مجھے روحانیت وتصوف والی بات سمجھ میں نہیں آئی کہ اس کا کیا معیار ہے؟۔

ندوہ میں روحانیت بھی ہے

اس لیے کہ ایک صاحب جب ندوہ پہنچے تو انہوں نے ندوہ دیکھنے کے بعد کہا کہ ماشاء اللہ بہت ٹھیک ہے، بس روحانیت محسوس نہیں ہوئی، اس کے بعد ان کو ندوہ کے سفید ریش، سفید پوش بزرگ نائب ناظم حضرت مولانا معین اللہ ندویؒ سے ملاقات کرائی گئی تو کہنے لگے کہ ہاں روحانیت بھی موجود ہے۔

ندوہ میں صحاح ستہ، فقہ اور تفسیر بھی پڑھائی جاتی ہے

بعض دوستوں نے مجھ سے یہاں تک کہا کہ ندوہ میں نہ تو حدیث شریف پڑھائی جاتی ہے، نہ فقہ، اور نہ ہی تفسیر، لیکن مجھے اس قسم کی باتیں بے حقیقت معلوم ہوئیں؛ کیونکہ احقر نے ندوہ میں صحاح ستہ بھی پڑھی، فقہ بھی پڑھی اور تفسیر بھی، یہ اور اس طرح کی غلط فہمیاں معلوم نہیں کس نے پھیلا دیں، بعض مرتبہ اچھے خاصے دیندار اپڑھے لکھے علماء بھی اس طرح کی باتیں کہہ دیتے ہیں جو بے حقیقت ہیں، یہ ان کی سادگی کہئے یا ان کی عدم واقفیت یا ان کی ذہن کی خرابی۔ واللہ اعلم

دارالعلوم دیوبند سے متعلق بعض غلط فہمیاں

بعض ندوی جو دیوبند کی اہمیت اور تاریخ سے واقف نہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ دیوبند میں پڑھنے والا محض گونگا ہوتا ہے، نہ تو اس کو عربی آتی ہے، نہ اس میں تحریر وتقریر کی صلاحیت ہوتی ہے اور نہ ہی اس کو انگریزی کی شدبد ہوتی ہے، عربی ادب سے تو ان کا دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا اور یہ تو محض جھگڑالو ہوتے ہیں، اور اپنی انا اور حب جاہ کے لیے قوم وملت کی بھی پرواہ نہیں کرتے، اپنی کرسی کے چکر میں ملت کا شیرازہ بکھر جائے، قوم بھاڑ میں جائے ان کو کوئی پرواہ نہیں ہوتی، جب احقر پہلے پہل ندوہ گیا تو ایک ندوی نے ایک غلط فہمی کے پس منظر میں دیوبند کے علاقہ کا ہونے کی وجہ سے دارالعلوم ومظاہر علوم کے اختلافات کا مجھے مورد الزام ٹھہرایا اور اس سلسلہ کی ان کو جتنی قرآنی آیات وحدیثیں یاد تھیں، سب سنا ڈالیں، جوش میں ان کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور گردن کی رگیں پھول رہی تھیں، غرضیکہ ایک چھوٹا موٹا سا جلسہ کر ڈالا، میں یہ صورت حال دیکھ کر رنجیدہ دل اور کبیدہ خاطر ہوا اور اللہ سے دعائیں کیں۔

ندوہ اور دیوبند اپنے مقاصد میں کامیاب

اس سے کسی کو انکار نہیں ہونا چاہئے کہ ان دونوں اداروں کا قیام، جن مقاصد کے تحت وجود میں آیا تھا، وہ ان میں کامیاب ہیں۔

دارالعلوم دیوبند کے قیام کا مقصد

دیوبند میں دارالعلوم قرآن وسنت کی تعلیم وتبلیغ کے ساتھ انگریز کو ہندوستان سے نکالنے کے لیے قائم ہوا جس کے لیے نہ صرف یہ کہ وہ آزادی کے آخری لمحے تک جدوجہد کرتا رہا؛ بلکہ وہ اس میں کامیاب بھی ہوا اور اس نے علماء مجاہدین، محدثین، مفسرین اور فقہاء کی کھیپ کی کھیپ تیار کردی، غرضیکہ دارالعلوم دیوبند نے وہ کارنامے انجام دئے جو تاریخ میں سنہرے حروف سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔

ندوہ کے قیام کا مقصد

ندوہ اس کے ۲۶؍سال بعد نزاع باہمی کو ختم کرنے اور جدید نصاب کی ترتیب کے ذریعہ عصر جدید کے ہر چیلنج کا جواب دینے کے ساتھ ساتھ قرآن وسنت کی تعلیم وتبلیغ اور عصری تعلیم کے فروغ کے لیے قائم ہوا، اس نے قدیم صالح اور جدید نافع اختیار کرنے کا اعلان ونعرہ لگایا اور عربی زبان کو قرآن وحدیث کی زندہ جاوید زبان اور دعوت کی زبان سمجھ کر پڑھنے اور پڑھانے کا انداز اور فکر پیش کی، اس سلسلہ میں اس نے غیر معمولی کوششیں کیں اور جدید نصاب تعلیم تیار کر کے مسلمانوں کو حصول تعلیم کا ایک نیا رخ دیا، اس سلسلہ میں اس نے جو کامیابی حاصل کی اس کی نظیر مشکل سے ملتی ہے۔

دونوں اداروں کی اپنی الگ الگ ساخت ہے

رہا طلبہ و متعلمین کی صلاحیت وتربیت اور وضع قطع کا مسئلہ تو وہ مختلف ہو سکتا ہے،

سو فیصد نہ ندوہ سے باصلاحیت اور اسلامی وضع قطع کے حامل نکلتے ہیں اور نہ دیوبند سے، اس پر افسوس کی بات یہ ہے کہ بعض ناواقف کسی کم صلاحیت طالب علم یا عالم یا غیر اسلامی وضع قطع والے شخص کی ملاقات سے اس ادارے پر تبصرہ واعتراض شروع کر دیتے ہیں، جہاں سے اس کی رسمی فراغت کا تعلق ہے، حالاں کہ ایسے موقع پر انصاف کا تقاضہ یہ ہے کہ دونوں اداروں کی اپنی الگ الگ اہمیت وساخت کا اعتراف کیا جائے، چونکہ اس حقیقت سے سبھی واقف ہیں کہ دونوں کے قیام کے فروعی مقاصد الگ ہیں، دونوں کے وجود کا پس منظر الگ الگ ہے، منزل اور مقصد دونوں کا ایک ہے، لہٰذا ایک کا دوسرے سے موازنہ وتقابل کرنا کسی بھی طرح صحیح نہیں ہوسکتا، دراصل دونوں اداروں پر صحیح تبصرہ وہی کرسکتا ہے اور یہ حق اسی کو حاصل ہوسکتا ہے جس نے دونوں گھاٹوں سے پانی پیا ہو اور ان دونوں اداروں کے اہل علم سے استفادہ کیا ہو۔

مدارس کی تاریخ بھی بڑی پرانی ہے

بعض ناواقف، ناعاقبت اندیش، کوتاہ چشم یہ سمجھتے ہیں کہ دارالعلوم سے فارغ ہونا بھی ٹھیک، مظاہر سے فارغ ہونا بھی ٹھیک؛ لیکن ندوہ سے فارغ ہونا خطرہ کا باعث ہے، یہ تصور محض ایک دھوکہ ہے، دیوبند، مظاہر، ندوہ سے پہلے ہندوستان میں ہزاروں مدارس تھے، مدارس کی تاریخ بڑی پرانی ہے، جتنی پرانی اسلامی تاریخ ہے اتنی ہی پرانی مدارس کی تاریخ بھی ہے، اس لیے اگر یہ شرط اور قید لگائی جائے اور باقی قدیم وجدید مدارس کے فارغین کو مسترد کر دیا جائے، تو امت تنگی کا شکار ہو جائے گی اور دین تنگی میں ڈالنے کے لیے نہیں؛ بلکہ وہ تو وسعت وکشادگی کا داعی ہے، عسر کا نہیں بلکہ یسر کا حامی ہے۔

علماء حق کی اصطلاح قائم کرنی چاہیے

ایک بات اہل علم حضرات کی خدمت میں مؤدبانہ پیش کی جاتی ہے، ضروری نہیں کہ

اس سے سب کو اتفاق ہو، مگر راقم کے دل کی آواز ہے کہ ہمارے ندوہ سے تعلق رکھنے والے علماء کسی غیر ملکی پروگرام میں علمائے ندوہ کی شرکت کو ندوی برادری سے تعبیر کرتے ہیں اور قاسمی حضرات علمائے دیوبند کی شرکت کو قاسمی برادری یا علماء دیوبند سے تعبیر کرتے ہیں، راقم یہ سمجھتا ہے کہ علمائے ندوہ اور علمائے دیوبند کو اور وہ تمام علماء جن کے عقائد اہل سنت والجماعت کے عقائد کے مطابق ہوں، ان کو علماء حق کی اصطلاح قائم کرنی چاہیے کہ ایسی صورت میں ہی تمام مکاتب فکر کے علماء کا آپس میں اتحاد ممکن ہے۔

تبلیغی جماعت کے احباب میں بعض غلط فہمیاں

جہاں تک تبلیغی جماعت کا تعلق ہے تو اس میں بلکہ جماعت کے بعض ان احباب میں خاص طور سے جو عالم نہیں، مگر دینی جذبہ رکھتے ہیں، ان کے اندر بعض ایسی باتیں در آئی ہیں، جو نہ جماعت کے اور نہ حاملین جماعت کے شایان شان ہیں، اس لیے یہاں بعض ایسی باتوں کی نشاندھی کی جا رہی ہے جن کا راقم کو خود واسطہ پڑا ہے، کیونکہ راقم خود جماعتی ہے اور اہل جماعت وتبلیغ کو حق سمجھتا ہے اور ان کی خدمت وعزت کو اپنے لیے سعادت سمجھتا ہے، اس لیے وہی باتیں جو اپنے سامنے یا اپنے تجربہ میں پیش آئی ہیں نقل کی جاتی ہیں۔

دین صرف جماعت کا نام نہیں ہے

ایک تو یہ کہ بعض جماعت کے لوگ سمجھتے ہیں کہ دین صرف جماعت کا کام ہی ہے، مدارس دین نہیں، راقم سطور نے اپنے رائے پور کے زمانہ طالب علمی میں رائے پور کی جامع مسجد میں علماء وطلبا کی موجودگی میں ایک جماعتی بھائی کو تقریر کرتے ہوئے سنا جس میں عوام بھی موجود تھے کہ بھائی یہ دینی کام مدارس والوں نے اور علماء نے تو چھوڑ دیا ہے، اب یہ کام ہمیں اور آپ ہی کو کرنا ہے اور یہ بات بعض جماعتی بھائی اب بھی بعض جگہ پوری

ڈھٹائی اور جرأت کے ساتھ کہتے ہیں۔

بعض مرتبہ علماء کی اہمیت نہ سمجھنا

دوسرے یہ کہ اگر کوئی ایک چلہ لگا کر یا چند روز جماعت میں وقت لگا کر آ گیا ہو تو وہ پھر کسی مولوی یا عالم کو اپنے سے بہتر اور اپنے سے زیادہ جاننے والا نہیں سمجھتا، یہاں تک کہ اگر جوڑ یا جماعت کا پروگرام ہو اور وہاں کوئی عالم بھی موجود ہو تو وہ اس کو گوارہ نہیں کرتے کہ عالم تقریر کرے؛ بلکہ وہ جماعتی بھائی کو تقریر کے لیے کھڑا کرتے ہیں، جو قرآن وحدیث کی بجائے بیٹھک اور چوپالوں یا اپنے ساتھیوں سے سنی ہوئی باتیں، کرامات وتجربات بھی اپنے بڑوں، بزرگوں کے حوالہ سے اس طرح نقل کرتا ہے، کہ خود اس کو بھی پتہ نہیں ہوتا، غرضیکہ بعض مرتبہ وہ عوام میں ایسی باتیں کرتے ہیں جن کے سبب عوام میں دین اور علماء سے بداعتقادی پیدا ہو جاتی ہے۔

قرآن وحدیث کے حلقے

تیسرے یہ کہ بعض اپنی مجلسوں میں قرآن کے حلقے، تفسیر کے حلقے، حدیث وفقہ کے حلقے کو گویا جائز ہی نہیں سمجھتے، صرف پوری شریعت فضائل اعمال اور چھ نمبروں کو سمجھتے ہیں، اس سے انکار نہیں کہ چھ نمبر حضرات اکابر نے دین کے خلاصے کے طور پر وضع کئے ہیں، تاکہ بتلانا اور عمل کرنا آسان ہو۔

تبلیغ کی تاریخ بھی پرانی ہے

چوتھے یہ کہ بعض حضرات اپنے بیانات کی تمہید میں انبیاء کرام اور حضور وصحابہ تک تبلیغ کی اہمیت اور کام کو بتلاتے ہیں، بیچ کی پوری تاریخ کو صرف نظر کر کے حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ سے پرزور انداز میں بعد کی کوششوں کو نقل کرتے ہیں، حالانکہ انکو معلوم

ہونا چاہئے کہ تبلیغ کی تاریخ حضرت مولانا الیاس صاحبؒ سے نہیں؛ بلکہ اس کی تاریخ بھی انسانی تاریخ کی طرح پرانی؛ بلکہ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد جب علم تشریعی کے سلسلہ کی ابتداء ہوئی اور انسانی ہدایت کے لیے پیغمبروں کا آنا شروع ہوا، تبھی سے ہے۔

حضرت مولانا الیاس تبلیغی تحریک کے بانی اور مجدد و مبلغ ہیں

آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے چھ سو سال کا عرصہ گذرا جس میں تبلیغی کام نہیں ہوا، اسی زمانے کو فترۃ اور جاہلیت کے دور سے تعبیر کیا جاتا ہے، پھر حضور کی بعثت کے بعد کوئی زمانہ ایسا نہیں گذرا جس میں دین کا کوئی داعی، کوئی مبلغ، کوئی مجدد اپنے رفقاء کے ساتھ تبلیغ کا کام کرتا ہوا نظر نہ آتا ہو، اس میں کوئی دورائے نہیں ہوسکتی کہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے دعوت وتبلیغ کے طریقۂ کار کو نیا روپ دیا، اور پھر آگے چل کر یہی روپ تحریکی شکل اختیار کر گیا، بلاشبہ حضرت مولانا الیاس صاحبؒ اس تحریک کے بانی اور اس تحریک کے مجدد و مبلغ ہیں؛ لیکن اس اہم کام کے سلسلہ نسب کو ان کی ذات اور ان کی خدمات پر جا کر ختم کر دینا یہ ہماری کوتاہ نظری اور دعوت وعزیمت کی تاریخ سے عدم واقفیت کی دلیل ہوگی، اس لیے تبلیغی بھائیوں کو سوچنے اور سمجھنے اور بڑی دانشمندی سے کام لینے کی ضرورت ہے۔

اکابر تبلیغ علماء مدارس ہی تھے

اور رہی یہ بات کہ علماء اور مدارس یہ دین کا کام نہیں کرتے، یہ بالکل ہی غلط سوچ وفکر ہے، انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ حضرت مولانا محمد الیاسؒ صاحب، حضرت مولانا محمد یوسف صاحب، حضرت مولانا انعام الحسن صاحب اور دوسرے اکابر تبلیغ وہ مولوی اور علماء ہی تھے اور وہ انہیں مدارس کے پروردہ تھے، بلکہ مرکز میں اس وقت موجود علماء بھی انہیں مدارس کے فیض یافتہ ہیں، جو آج تبلیغی حضرات کی نظر میں دین کا کام نہیں کر رہے ہیں

"سبحانک هذا بهتان عظیم"۔

مدارس دین کی اشاعت وحفاظت کے قلعے

اس سلسلہ میں راقم آثم کی اکابرین تبلیغی جماعت سے گزارش ہوگی کہ نظام الدین مرکز سے سبھی جماعتوں کو جہاں بہت ساری ہدایات کی جاتی ہیں، وہیں ان کو یہ بھی ہدایت دیں کہ جماعت کے کام سے وابستہ حضرات علماء کی قدر کریں، مدارس کو نہ صرف دین کا شعبہ سمجھیں؛ بلکہ دین کی اشاعت وحفاظت کا قلعہ تصور کریں، غیر تو مدارس کی اہمیت سے واقف ہیں، یہود ونصاری اور امریکہ تو مدارس دینیہ کو اسلام اور دین کی حفاظت کا ذریعہ اور اپنی بقاء کے لیے خطرہ سمجھتے ہیں؛ لیکن ہمارے بعض دینی بھائی اور بعض جماعت کا کام کرنے والے حضرات مدارس کی اہمیت سے واقف نہیں۔

اہل مدارس اور جماعت کے احباب میں رابطہ وتعلق مضبوط ہونا چاہیے

ضرورت اس بات کی ہے کہ اس کام سے جڑی ہوئی نامور ہستیاں اس سلسلے میں کوشش کریں اور مدارس کے تعلق سے عوام میں جو غلط تأثر پھیلا ہوا ہے یا پھیلایا جارہا ہے، اسے دور کرنے کی کوشش کی جائے، چونکہ آج جب کہ حالات بڑی تیزی سے تبدیل ہورہے ہیں، اگر ہمارے مدارس کے علماء میں آپسی اتحاد واتفاق قائم نہیں ہوا اور ہر ایک مدرسہ دوسرے مدرسہ کو دینی قلعہ، دینی کام کا ذریعہ تصور کرنے کی بجائے آپسی انتشار کا شکار رہا، خاص کر اہل مدارس اور تبلیغی جماعت کے لوگ آپس میں ایک دوسرے کا احترام اور ایک دوسرے کے کام کی قدر کرنے کے لیے آمادہ نہیں ہوئے، تو امت میں بگاڑ اور انتشار پیدا ہوگا اور اس کے ذمہ دار علماء مدارس اور دعاۃ ومبلغین حضرات ہی ہوں گے، سب کا مقصد ایک ہونا چاہیے، دین مقصود ہو، حفاظت واشاعت دین مقصود ہو، رضاء الٰہی مطلوب ہو۔

دور کے دشمن کا اتنا خطرہ نہیں جتنا اپنے پڑوسی کا

اس وقت نامہ سیاہ عالمی پیمانے پر نہیں بلکہ آل انڈیا یا پیمانے پر مسلمانوں کو، علماء کو، مسلمانوں کے سرکردہ رہنماؤں کو، زعماء ملت اور لیڈران کو یہ باور کرانا چاہتا ہے کہ دور کے دشمن کا اتنا خطرہ نہیں جتنا کہ خود آپ کے پڑوسیوں کا خطرہ ہے، وہ آپ کے ساتھ ظلم وزیادتی اور کشت وخون کی جو ہولی کھیلتے ہیں، وہ آپ کی کمزوری ہے، وہ یہ نہیں سمجھتے کہ جس پر ظلم کیا جارہا ہے، وہ دیوبندی ہے، بریلوی ہے، سلفی ہے، تبلیغی ہے، جماعت اسلامی والا ہے، شیعہ ہے، سنی ہے، یا اور کوئی فرقہ ہے، وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ مسلمان ہے بلکہ یہ "مسلہ" ہے، اس لیے تمام فرقے یا تمام مکاتب فکر جن پر اسلام یا مسلمان ہونے کا اطلاق ہوتا ہے، سب کو ایک ہوجانا چاہیے، احقر اس کا داعی نہیں کہ آپ کوئی الگ سیاسی پارٹی بنائیں، بلکہ تمام مکاتب فکر کے سربرآوردہ لوگ اکٹھا ہوکر کوئی لائحہ عمل تیار کریں اور ہندوستان کے قانون کی پاسداری ملحوظ رکھتے ہوئے، حکومت کو میمورینڈم پیش کریں اور اپنے حقوق حاصل کریں، اگرچہ موجودہ صورت حال میں اتحاد کی بات ایک خواب معلوم ہوتی ہے، مگر مایوس نہ ہونا چاہیے۔

قوم کا گر جانا شخصی عزت کو سنبھال نہیں سکتا

دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہ نے ہندوستان کے حالات کو دیکھ کر فرمایا تھا کہ "جب کہ یہ فرقہ پرست جتھابندی کرکے مسلم قوم کے درپے ہیں، اگر خدانخواستہ ان کو کامیابی ہوگئی (جس طرح کے آثار مسلمانوں میں موجود ہیں) تو مسلمان شودر قوموں سے بھی زیادہ گرجائیں گے اور ان پر وحشیانہ مظالم ہوں گے، جن کی نظیر دنیا میں نہ ملے گی، شخصی عزت اور مالداری اس وقت کام نہ آئے گی،

قوم کا گر جانا شخصی عزت کو سنبھال نہیں سکتا، ہمارے معزز اور سربرآوردہ حضرات تو احساس ہی نہیں رکھتے، اور نفسی نفسی میں مبتلا ہیں، ہر ہر خاندان اور افراد قوم کو سنبھالنا اور جگانا چاہیے، ان میں باقاعدہ کمیٹیاں قائم کرنا چاہیے، تجارت، تعلیم، سپہ گری وغیرہ قائم کرتے ہوئے جہالت، نااتفاقی، فضول خرچی، مقدمہ بازی سے ان کو بچانا چاہیے اور پوری منظّم قوت کی کوشش کر کے دینی جذبات اور عملیات کو کمال پر پہنچانا چاہیے۔

غیروں کی خواہش مسلمانوں کی اینٹ سے اینٹ بجانا

نیز فرمایا کہ اگر آپ کا ارادہ ہے کہ ہندوستان میں اسلام باقی رہے اور آپ کی آئندہ نسلیں یہاں زندہ رہ سکیں، تو بہت جلد بیدار ہو جایئے، جو حالت ہمارے جمود واختلاف اور تغافل کی وجہ سے مسلمانوں کی ہوگئی ہے وہ نہایت مایوس کن ہے، شہروں کا پھرنے والا، واقعات کا دیکھنے والا پورا یقین کرتا ہے، کہ غیر مسلم قومیں ہر طرح تلی ہوئی ہیں کہ مسلمانوں کی اینٹ سے اینٹ بجادیں۔

خود بھی کامیاب ہوگے اور امت بھی

مزید فرمایا کہ اگر اتحاد واتفاق سے رہوگے، منافرت اور جاہ طلبی سے بچوگے، ہر ایک دوسرے کی مدد کرے گا اور ایک جان چند قالب بنے گا، جس طرح مولانا گنگوہی، مولانا نانوتویؒ، مولانا یعقوب صاحب، مولانا مظہر صاحب نانوتوی، مولانا محمد احسن صاحب نانوتوی قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم تھے، تو خود بھی کامیاب ہوگے اور امت کو بھی کامیابی نصیب ہوگی، اللہ تعالیٰ کوئی ایسی سبیل نکالدے کہ مسلمان اپنی عظمت رفتہ بحال کرنے کی کوشش کریں، بس اللہ ہی ہر چیز پر قادر ہے۔

فتنہ قادنیت

نبوت محمدیؐ کے خلاف بغاوت

ہر زمانہ میں اسلام کے خلاف بغاوت کرنیوالے پیدا ہوئے

واقف اور باخبر حضرات جانتے ہیں کہ اسلام کی ڈیڑھ ہزار سالہ تاریخ میں قرن اول سے اس صدی تک ہر زمانے میں دشمنان اسلام کی طرف سے مذہب اسلام کو مٹانے، اس کو داغدار کرنے، اس کی تعلیمات کو ختم کرنے اور اس میں مختلف انداز سے رخنہ ڈالنے کی ناپاک سازشیں ہوتی رہی ہیں، کچھ ہواپرست، جاہ پسند، مال ودولت کے پجاری اور خواہشات نفسانی کے پیرو اپنے عناد ونخوت، کبر غرور کی بنا پر خود ساختہ نبی بن بیٹھے، جنھوں نے اپنی ریشہ دوانی، چرب زبانی، چال بازی سے بہت سے لوگوں کو اپنا پیرو اور ہمنوا بنالیا اور یہ سلسلہ پہلی صدی ہجری کیا بلکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے ہی مسیلمہ کذاب متنبّی کی شکل میں شروع ہوگیا تھا، جس کو صحابہ کرام نے کیفر کردار تک پہنچا کر جہنم رسید کردیا، متنبیوں کا یہ سلسلہ مختلف زمانوں، مختلف ملکوں میں چلتا رہا، حق کے پرستار اور حاملین عقیدہ ختم نبوت اور پاسبان ملت بیضا ان جھوٹے متنبیوں کا مقابلہ کرتے رہے۔

ہندوستان میں نبوت محمدی کے خلاف بغاوت کرنیوالے

ملک ہندوستان جس میں خلافت بنوامیہ کے دور میں ہی فاتح سندھ محمد ابن قاسم کی آمد کے ساتھ ہی اسلام کی آبیاری ہوگئی تھی، اس کی تاریخ بڑی روشن، اس کی زمین بڑی

زرخیز، اس کے علاقے بڑے مردم خیز ہیں، یہاں پر بھی اس طرح کے خدا فراموش بلکہ خودفراموش اور ضمیر فروش، حب جاہ ومنصب، حب مال اور نام نمود اور شہرت کے خواہاں جنم لیتے رہے، کبھی وہ اکبر کی شکل میں آتے ہیں، جس کا مقابلہ امام الہند شیخ احمد سرہندی مجددالف ثانی کرتے ہیں اور کبھی وہ مرزا غلام احمد قادیانی کی شکل میں آتے ہیں، جن کے مقابلے کیلئے ہندوستان کے علماء کھڑے ہوتے ہیں اور ان کا ہر طرح مقابلہ کرتے ہیں۔

مرزا غلام احمد انگریز کا خود کاشتہ پودا

مگر یہ حقیقت ہے کہ کوئی جماعت، یا تحریک خواہ اس کے مقاصد کتنے ہی غلط کیوں نہ ہوں، اس کے منشور کتنے ہی خطرناک کیوں نہ ہوں، اس کے نتائج کتنے ہی عبرت ناک کیوں نہ ہوں، اس کے متبعین، اس کے گروہی اور پیرو کچھ نہ کچھ ضرور ہو جاتے ہیں، اور عام طور سے ایسا ہوتا ہے کہ ہر باطل طاقت کو پھلنے پھولنے کا خوب موقع ملتا ہے، اس کے پاس سرمائے کی کمی نہیں ہوتی، وسائل کی کمی نہیں ہوتی، افراد اور نمائندوں کی کمی نہیں ہوتی، یہی پنجاب کے ضلع گورداس پور کے قادیان گاؤں میں پیدا ہونے والے متنبّی مرزا غلام احمد قادیانی کے ساتھ ہوا، کہ اس کے پس پشت ایک بڑی فرم بلکہ انگریز حکومت تھی، جو اس کی پشت پناہی کرتی رہی، مرزا نے خود لکھا کہ ''میں انگریز کا خود کاشتہ پودا ہوں'' اور دوسری جگہ لکھا ہے کہ ''میں نے انگریز کی حمایت اور اسلام اور جہاد کی مخالفت میں اتنی کتابیں لکھی ہیں کہ پچاس الماریاں بھر جائیں''۔

قادیانیوں کی سرگرمیاں

چنانچہ اس کذاب ومفتری علی اللہ متنبّی کے متبعین بھی اپنی سرگرمیوں کے ساتھ خفیہ طور پر سرگرم عمل ہیں، ادھر ہریانہ، پنجاب اور ہندوستان کے مختلف پسماندہ علاقوں میں ان کے داعی

آتے ہیں اور سادہ لوح مسلمانوں کو بہلا پھسلا کر، پیسے کا لالچ دیکر اور ان کی مساجد میں تعاون کر کے اپنا امام خود اپنے خرچ پر چھوڑ کر اپنا ہمنوا اور اپنی دعوت کا میدان بنا رہے ہیں۔

اس امت کی بقاء عقیدہ ختم نبوت پر ہے

ایسے حالات کے پیش نظر ضروری ہے کہ ان کا مقابلہ کیا جائے اور قادیانی داعیوں کو وہاں سے نکالا جائے اور علمی اور دعوتی انداز میں ان کو سمجھایا جائے اور بجائے ان کے داعی ہونے کے ان کو مدعو بنایا جائے، کیونکہ اسلام کی بقاء کتاب وسنت پر ہے؛ لیکن امت کی بقاء عقیدہ ختم نبوت پر ہے، اگر ختم نبوت کا عقیدہ نہ رہا تو روزانہ ہر علاقہ میں الگ الگ نبی کھڑا ہوگا اور اس امت کا جس کو خیر امت کے لقب سے نوازا گیا ہے کوئی تشخص، کوئی وقار اور وزن نہیں رہے گا، تمام امتیازات ختم ہو جائیں گے، مذہب اسلام ایک بھول بھلیاں بن جائے گا، صحیح اور غلط، حق اور ناحق کا کوئی معیار باقی نہیں رہے گا، اس لیے بہت ضروری ہے کہ عقیدہ توحید کی پختگی کے ساتھ عقیدہ ختم نبوت کو بھی پختہ کیا جائے اور یہ یقین رکھا جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری نبی ہیں اب کوئی نبی نہیں آئے گا، آپ کی شریعت پر چلے بغیر نجات نہیں ہوگی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم قیامت تک کیلئے آخری نبی

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پوری انسانیت اور پوری دنیا کے لیے آخری نبی بنا کر بھیجے گئے ہیں، آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا ''لا نبی بعدہ'' آپ خاتم النبین ہیں: ''مَاكَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ'' (۱) نبوت کا سلسلہ آپ پر منقطع ہو گیا ہے، پوری انسانیت پر آپ کی اتباع ضروری ہے، قرآن حکیم میں اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: ''قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا'' (۲)

(۱) سورۂ احزاب آیت ۴۰۔ (۲) سورۂ اعراف آیت ۱۵۹۔

یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ فرما دیجئے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

اب قیامت تک اسلام کے علاوہ کوئی دین مقبول نہیں

اس لیے ان سادہ لوح مسلمانوں کو چاہیے جو مرزائی داعیوں اور مبلغوں کے ذریعہ تھوڑے پیسے اور ثمن قلیل کے عوض میں اپنی آخرت اور دین کو برباد کر رہے ہیں وہ سوچ لیں اور غور کر لیں کہ کہیں ہماری یہ پچاس ساٹھ سالہ زندگی ضائع نہ ہو جائے، اور ہم بارگاہ خدا میں خالی ہاتھ حسرت و یاس اور غم و اندوہ کے عالم میں نہ پہنچیں، پھر پچھتانا اور افسوس کرنا کام نہ آئے گا؛ کیونکہ قرآن پاک کے اندر سورۂ آل عمران میں صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا کہ اگر اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا دین یا مذہب اختیار کیا جائے گا تو یہ ہرگز اللہ کے یہاں مقبول نہ ہوگا اور آخرت میں خسارہ اور نقصان کا سامنا کرنا ہوگا ''ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ وھو فی الآخرۃ من الخاسرین''[1]۔

اس لیے ہمارے داعیوں کو بھی چاہیے کہ وہ دوسرے کی عزت نفس کا خیال رکھتے ہوئے بڑی حکمت و دانائی اور اخلاص و للّٰہیت کے ساتھ اپنے بھٹکے ہوئے بھائیوں اور گمراہ لوگوں کو دعوت دیں اور ان کے پرکھوں اور ان کے مقتدا لوگوں کو برا نہ کہہ کر ان کے سامنے اسلام کا پیغام رکھنا چاہیے اور حقیقت حال سے آگاہ کرنا چاہیے۔ ع

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

(۱) سورۂ آل عمران آیت ۸۵۔

ساتواں باب

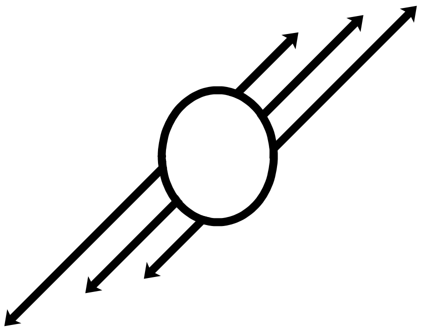

اسلام کے بعض محاسن

99

دین اور شعائر دین

یہ دین قیامت تک کے لئے ہے

بلاشبہ دین آسان ہے، اس پر چلنا بھی آسان ہے، مگر دین کے کچھ اصول وضابطے ہیں، دین کے کچھ احکام ومسائل ہیں، دین کے کچھ اعمال وشعائر ہیں، اور وہ سب منزل من اللہ ہیں، اللہ کی طرف سے وحی کردہ ہیں، یا پیغمبر اسلام حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد فرمودہ ہیں، پورا دین نبی پاک علیہ الصلاۃ والسلام کی سنتوں کے ذریعے زندہ اور تابندہ ہے، چاہے وہ سنتیں موکدہ ہوں یا سنت عادیہ ہوں اور ان تمام پر صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین اور اسلاف امت نے عمل کیا ہے، اور زندگی کا ایک آئیڈیل اور نمونہ پیش کیا ہے، زندگی کے جتنے بھی شعبے ہیں، خواہ وہ عقائد سے متعلق ہوں، عبادات سے متعلق ہوں، معاملات سے متعلق ہوں، اخلاقیات سے متعلق ہوں، معاشیات یا اقتصایات سے متعلق ہوں، یا عام زندگی سے متعلق ہوں، ہر ایک کا نمونہ اسلاف امت کی زندگی میں پایا جاتا ہے، اور یہ تمام نمونے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے لیکر آج تک تواتر کے ساتھ موجود ہیں، اور ہر زمانے میں ہر جگہ ان پر عمل کرنیوالے اور ان کو اپنی زندگی میں عملاً نافذ کرنیوالے پائے جاتے رہے ہیں، کوئی دور ایسا نہیں گزرا کہ ان تمام نمونوں اور تمام شعائر دین پر عمل کرنیوالے نہ رہے ہوں، اس لئے کہ یہ دین قیامت تک کیلئے اور ہر زمانے اور ہر جگہ کیلئے ہے۔

آج کل کے جدت پسندوں کا وطیرہ

مگر آج کل جدت پسندی، دین میں آسانی اور تیسیر کا ایسا ہیضہ ہوتا جارہا ہے کہ جو

شعائر دین ابتدائے اسلام سے امت میں جاری وساری ہیں، کچھ دین کے دشمنوں، یا جاہلوں یا جدت پسندوں اور ہوشیار لوگوں نے ان کو قدامت پرستی اور دقیانوسی، رجعت پسندی، یا شدت پسندی کا عنوان دے کر چھوڑ دیا ہے اور اس کے خلاف کرنا دینداری اور دین پسندی اور بزعم خویش ہوشیاری سمجھ لیا ہے، مثلاً نماز میں سر پر ٹوپی نہ رکھنا، یا سر کو عمامہ یا رومال سے نہ ڈھاکنا، مسجد میں مختلف جماعتیں کرنا، امام بننے میں احتیاط نہ کرنا، بے ریش اور فاسق لوگوں کا امام بن جانا، ٹخنوں سے نیچے شلوار، پائجامے یا پینٹ کا رکھنا، مسئلے مسائل میں عوام کا بحث کرنا، قرآن وحدیث کے حوالے سے عوام کا مسائل بتلانا، یہ اور اس طرح کی بہت سی باتیں ہیں جو امت میں سرایت کر گئی ہیں، اور شعائر دین کا لوگوں نے مذاق یا کھلواڑ بنالیا، من گھڑت باتوں اور نفس پرستی کو دین اور شریعت بنالیا ہے۔

خلیجی ممالک میں لوگوں کا انداز

آج کل خلیجی ممالک میں خاص طور سے مسجدوں میں ننگے سر زیادہ نظر آتے ہیں، حالانکہ غیر مسلموں میں بھی شریف یا مہذب لوگ سر کو ڈھاکتے ہیں، یا سر پر ٹوپی وغیرہ رکھتے ہیں، مگر مسلمان جن کا چودہ سو سال سے سر ڈھکنے کا چلن رہا ہے، اب انہیں پتہ نہیں سر ڈھکنے سے کیوں چڑ ہوگئی ہے، نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ نمازوں میں سر پر ٹوپی یا عمامہ رکھتے تھے، پھر تمام صحابہ اور اسلاف کا یہی عمل رہا ہے، آج بھی دیندار، علماء کرام، مفتیان عظام اور تمام مذہبی پیشوا سر ڈھاک کر نماز پڑھتے ہیں، حالت احرام مستثنیٰ ہے کہ وہاں ننگے سر رہنا ہی مطلوب ومقصود ہے، جیسا کہ زندگی بھر مغرب کی نماز کی پابندی کرنے والے کو وہاں مغرب کی نماز مزدلفہ میں پہنچ کر عشاء کے وقت پڑھنی ہوتی ہے، وہاں یہی حکم ہے، اسی طرح ہر دو آدمی تین آدمی کا محلّہ کی مسجدوں میں بار بار جماعت کرنا، جو اسلام کے اجتماعی نظام اور جماعت کی پابندی اور اہمیت کو ختم کرتا ہے، اس سے وہ جماعت کے ثواب

کی اہمیت کوتو سمجھتے ہیں، لیکن اسلام نے ایک وقت میں ایک مسجد میں تمام کا جمع ہوکر جماعت کی نماز کا جوحکم رکھا ہے، اس کی اہمیت کا ان کو علم نہیں ہے، جب جس وقت جس کی مرضی میں آیا، مسجد میں آیا اور جماعت کر لی، پھر مسجد کے جماعت کے نظام اور امام مسجد کی کوئی ضرورت ہی نہ رہی۔

امامت کے سلسلہ میں بے راہ روی

پھر مسئلہ امام بننے کا ہے، امامت نبی پاک علیہ الصلاۃ والسلام کا مقام ومنصب ہے، تو اس مقام ومنصب کے لائق وہی امام ہوسکتا ہے جو متبع سنت اور تمام شعائر دین اور شعائر اسلام کی عظمت واہمیت کو سمجھنے والا اور اس پر عمل کرنے والا ہو، یہاں حال یہ ہے کہ بے ریش، داڑھی منڈا آدمی آتا ہے، جس کی داڑھی بھی صاف، کہنیاں کھلی ہوئیں، شرٹ اور پینٹ میں- جو غیروں کا لباس ہے جس میں پینٹ ٹخنوں سے نیچے لٹکی ہوئی ہے- امامت شروع کردیتا ہے، حالانکہ وہ فاسق ہے، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جُزُّوا الشَّوَارِبَ وَاَرْخُوا اللُّحیٰ، خَالِفُوا الْمَجُوْسَ" (۱) کہ مونچھیں کٹاؤ، داڑھیاں بڑھاؤ، جس میں امر کا صیغہ ہے، جس سے داڑھی کا وجوب ثابت ہوتا ہے، اور واجب کا تارک فاسق ہوتا ہے، اور فاسق کے پیچھے نماز مکروہ ہوتی ہے، اسی طرح اسبال ازار ٹخنوں سے نیچے پائجامہ، لنگی یا پینٹ کا ہونا، اس پر بھی سخت وعید ہے، توجب نبی کے مقام پر فاسق وفاجر کھڑے ہوکر امامت کا فریضہ ادا کریں گے، تو کیا تباہی ہوگی، آپ سمجھ سکتے ہیں۔

مسلم اور غیر مسلم میں ظاہری امتیاز

یہ اس طرح کی باتیں اب تک خلیجی ممالک میں دیکھنے میں ملتی تھیں، لیکن ابھی افریقہ

(۱) مسلم شریف حدیث نمبر ۲۶۰۔

کے بعض ملکوں میں بھی اور خود ہمارے ہندوستان کے دہلی اور ممبئی جیسے شہروں کی مسجدوں میں بھی نظر آنے لگیں، کہ چند لوگ یہاں بھی ننگے سر نظر آتے ہیں، ننگے سر کے سلسلہ میں ہم یہاں فقہی مسئلہ نہیں بتلا رہے ہیں بلکہ امت کا طرز اور اسلاف امت کا کیا وطیرہ رہا ہے، وہ بتلانا چاہ رہے ہیں، بھائیو! غیر مسلموں اور مسلمانوں میں ظاہری طور پر جو امتیاز ہے وہ داڑھی، ٹوپی اور لباس ہی کا تو ہے، اب مسلمان بھی وہی لباس، وہی چہرہ مہرہ رکھیں گے تو کیسے پتہ چلے گا کہ یہ مسلمان ہے یا کافر ہے۔

چودہ سو سال سے مسلمانوں کا طریقہ

ذرا ہوش کے ناخن تو لو، کہاں آپ کی عقلیں ماری گئیں، یہ بات مسلم ہے کہ چودہ سو سال تک امت مسلمہ کسی باطل مسئلہ پر جمع نہیں ہوسکتی، حدیث پاک میں ہے کہ "یَدُاللّٰہِ عَلَی الْجَمَاعَةِ" (۱) تو پوری امت اتنے عرصے تک باطل پر رہے، اور اب چودہ سو سال کے بعد لوگوں کی سمجھ میں آئے کہ سر ڈھاکنا ضروری نہیں، یا کہاں سے ثابت ہے؟ بغیر اس کے بھی نماز ہوجاتی ہے، نماز تو ضروری ستر ڈھاکنے کے بعد بھی ہوجاتی ہے، اصل بتلانا ہے کہ اسلام اور دین کا شعار اور مسلمانوں اور اسلاف کا کیا طرز عمل رہا ہے، دین واقعی آسان ہے، مگر اس آسان دین کے بھی کچھ حدود وقیود اور کچھ فرائض وواجبات ہیں، یہ باپ دادا کی میراث نہیں کہ جس طرح چاہے اس میں تصرف کریں بلکہ یہ صحابہ اور اسلاف امت کی وراثت ہے، جو تواتر کے ساتھ امت میں منتقل ہوتی آرہی ہے، اس لئے اس کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔

آج کل فتنوں کا دور ہے

اس وقت امت کی حالت پر اللہ رحم کرے، ایک فتنہ نہیں، سینکڑوں فتنے جنم لے رہے

(۱) ترمذی شریف حدیث نمبر ۱۸۴۸۔

ہیں، کہیں مساوات کے نام سے عورتوں کی امامت کا فتنہ، کہیں مساوات کے نام سے عورتوں کو مردوں کے شانہ بشانہ کھڑے کرنے کا، کہیں ترقی کے نام سے اور جدت پسندی کے نام سے اور جدید تہذیب کے عنوان سے عورتوں کو بے پردہ کرنے کا فتنہ، پھر اس کے بدلے میں جہیز وتلک کا فتنہ، کہیں آزادی رائے کے نام سے بڑوں کا احترام نہ کرنا، علماء کرام کی قدر نہ کرنا، ماں باپ کا احترام نہ کرنا، اتنے فتنے ہیں کہ ''الامان والحفیظ'' اللہ ہی حفاظت فرمائے ،اور صحابہ کرام اور اسلاف امت کے طریقوں کو اپنا نیکی توفیق عطا فرمائے ،اور تمام جدتوں کو چھوڑ کر اسلام کے آفاقی نظام کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اسلام اور ترقی ☆

اللہ کے نزدیک سب سے پسندیدہ مذہب اسلام ہے

دنیا کے اندر مختلف مذاہب کا وجود ہے اور ہر مذہب کا ماننے والا اپنے مذہب کو دوسروں کی بنسبت اچھا کہتا ہے، لیکن اللہ تعالی کے یہاں جو پسندیدہ مذہب ہے اس کا فیصلہ خود حق تعالی نے فرمادیا ہے:''إِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَاللّٰهِ الْإِسْلَامُ'' (۱) کہ صحیح مذہب کہلانے کا مستحق اللہ تعالی کے یہاں دراصل اسلام ہی ہے، اس بات کو عقلی طور پر اس طرح سمجھا جاسکتا ہے کہ جتنے مذاہب بھی دنیا میں ہیں، قطع نظر ان کی تعلیمات کے ان مذاہب میں زندگی کے شب وروز میں ان کے ماننے والوں سے مخصوص رسم ورواج کو مخصوص اوقات میں ادا کرنے کے حکم کے علاوہ باقی اوقات کے لیے احکام نہ ہونے کے برابر ہیں، گویا کہ ان اوقات میں ان کو آزاد چھوڑ دیا گیا ہے جب کہ اسلام مسلمانوں کی زندگی کے تمام گوشوں اور اس کے تمام اوقات سے بحث کرتا ہے اور اس سے متعلقہ احکام دیتا ہے، سونا جاگنا، اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا، معاشرت، معیشت، تجارت، زراعت غرضیکہ پوری زندگی پر اسلام حاوی ہے اور ہر طرح سے جامعیت رکھتا ہے؛ لیکن آج کے مسلمانوں کے اعمال دیکھ کر دوسری قومیں اسلام کی اس جامعیت اور اس کے بہتر ہونے کا یقین نہیں کرتیں۔

☆ راقم کی طالب علمی کا یہ پہلا مضمون ہے، جو مدرسہ فیض ہدایت رحیمی رائے پور میں ۱۳/ربیع الاول ۱۴۱۴ھ کو استاذ محترم مولانا محمد احمد صاحب مظاہری استاذ مظاہر علوم سہارنپور، کی ہدایت کے مطابق لکھا تھا، یہ دراصل حضرت تھانویؒ کا ایک وعظ تھا، جو مولانا نے احقر کو مطالعہ کیلئے دیا تھا، مطالعہ کے بعد اس کا خلاصہ جو ذہن میں تھا وہ تحریر کرکے مولانا کی نظر ثانی کرائی، اب یہ مضمون مولانا برہان الدین سنبھلی استاذ ندوۃ العلماء لکھنؤ کی نظر ثانی کے بعد اس کتاب کا جز بنایا دیا گیا ہے۔

(۱) سورۂ ال عمران آیت ۱۹۔

مسلمانوں کے اعمال اسلام کے مطابق نہیں

مثلاً تمام پہلوؤں کو چھوڑ کر صرف ایک ہی پہلو دنیاوی ترقی کو لے لیا جائے تو دیگر اقوام ترقی میں آگے نظر آتی ہیں، اس پہلو کو دیکھتے ہوئے غیروں کو نہیں بلکہ خود مسلمانوں کے بھی ایک طبقے کو یہ خیال پیدا ہونے لگتا ہے کہ اسلام ہی ترقی سے مانع ہے، اس سے یہ سوال بعض لوگوں کے ذہنوں میں آتا ہے کہ جب اسلام قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کی رہنمائی کرتا ہے تو اس کے ماننے والے تنزل کے اس عمیق غار میں کیوں گرے ہوئے ہیں، یا تو العیاذ باللہ اسلام کا دعوی غلط ہے یا پھر مسلمانوں کے اعمال اسلام کے مطابق نہیں ہیں، قطع نظر اس کے کہ مسلمانوں نے اسلام کو پوری طرح اپنایا ہے یا نہیں؟ غور طلب یہ ہے کہ اسلام نے ترقی کس کو کہا ہے، یعنی ترقی اصلی کیا ہے؟ اسلام میں کس چیز کی ترقی مقصود اور مطلوب ہے اور لوگوں نے کس چیز کو ترقی سمجھ کر اس کے حصول کی کوشش کی ہے، اس سوال کو فراموش کر کے علمائے اسلام پر اعتراضات کی بوچھار کی ہے۔

اسلام ترقی کی دعوت دیتا ہے

اس لیے سب سے پہلے اس اعتراض کے جواب کی ضرورت ہے، جو بعض نام نہاد روشن خیالوں نے علماء اسلام پر کیا ہے کہ علماء حضرات مسلمانوں کو ترقی کرنے سے روکتے ہیں اور ترقی نہیں کرنے دیتے، اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام میں تو خیر میں ترقی کرنے کا حکم دیا گیا ہے بلکہ ”فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ“(۱) کہا گیا ہے، امر کا صیغہ ہے جو ترقی کے وجوب کا تقاضہ کرتا ہے، اب بتلائیے جس بات کا حکم باری تعالی نے قرآن کریم میں فرمایا ہو، کیا علماء اسلام اس کے خلاف کر سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں، لوگوں نے

(۱) سورۂ مائدہ آیت ۴۸

ترقی کا جو غیر اسلامی مفہوم سمجھا ہے اس پر عمل کرنے سے علماء کرام منع فرماتے ہیں اور قرآن وحدیث سے جو طریقے ثابت ہیں ان کو بیان فرماتے ہیں تو اس پر اعتراض کی بات ہی نہیں۔

غیر مسلموں کی تقلید

آج مسلمان غیر مسلموں کے مال کو دیکھ کر رال ٹپکاتا ہے اور جو طریقے غیروں نے اپنا رکھے ہیں، ان کی اتباع کرتا ہے، اور سمجھتا ہے کہ ترقی کا یہی راستہ ہے، حالانکہ مسلمان کی ترقی جیسا کہ اوپر گذرا ہے صرف قرآن وحدیث کی اتباع میں ہے یعنی جو اصول وقوانین ترقی کے قرآن وحدیث میں مذکور ہیں ان پر عمل کر کے ترقی کی جاسکتی ہے اور جو ترقی کے طریقے یورپین اور مغربی لوگوں کے ہیں وہ ان کے لیے تو سودمند ہو سکتے ہیں مسلمانوں کیلئے نہیں یعنی مسلمانوں کو ان سے ترقی حاصل ہونا ضروری نہیں؛ کیونکہ جو طریقہ ایک قوم کیلئے فائدہ مند ہو اس کا دوسری قوم کے لیے بھی مفید اور کارگر ثابت ہونا ضروری نہیں، ہر ایک کا الگ الگ طریقہ ہے جس سے وہ ترقی حاصل کرتے ہیں۔

بعض غلط چیزوں کو ترقی کا ذریعہ سمجھنا

اور بعض لوگوں کا یہ سمجھنا کہ ترقی سود سے ہوتی ہے، یا پھر ترقی بے پردگی سے ہوتی ہے، یہ بھی غلط ہے کیونکہ اگر ترقی سود لینے سے ہوتی تو جو مسلمان سود لیتا ہے وہ ترقی حاصل کرتا اور بے پردگی سے اگر ترقی ہوتی تو ہماری غریب مائیں، بہنیں جو اکثر بے پردہ رہتی ہیں ان کی ترقی ہوگئی ہوتی؛ واقعہ یہ ہے مسلمانوں کو اس وجہ سے ترقی نہیں ہوسکتی ہے کہ اس میں خدا کی نافرمانی ہے اور مسلمان خدا کی نافرمانی کر کے کیسے ترقی حاصل کرسکتا ہے، بس یہ تو اپنے اس گناہ اور معصیت کی وجہ سے ترقی نہیں کرسکا اور یہ اس کی دنیاوی سزا ہوئی اور کافر

چونکہ صرف ایمان نہ لانے کی وجہ سے بہت بڑے عذاب میں مبتلا ہوں گے، اس لیے انہیں دنیا میں عموماً راحت وآرام کے سامان دیدئے جاتے ہیں، اگر مسلمانوں کو دنیا میں اتنا ہی مال مل جائے تو معلوم نہیں کہ وہ دینی احکام وشریعت کے تقاضوں یعنی نماز، روزے کے پابند رہیں گے یا نہیں؟۔

اللہ تعالی اگر مال دیدے تو ہم اس کی عبادت کیلئے فارغ ہوجائیں گے

اگر کوئی کہے کہ ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ اگر اللہ رب العزت ہم کو خوب مال دے تو ہم اللہ کے راستہ میں خوب خرچ کریں اور دین کے کام میں صرف کریں، اللہ تعالی اس راز کو زیادہ جانتا ہے، کہ تمہارے دل کے اندر جو جذبہ اس وقت ہے وہ مال ملنے کے بعد بھی رہے گا، یا نہیں؟ اور پھر جب اللہ رب العزت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے لیے زیادہ مال پسند نہ فرمایا حالانکہ ان کے ایمان پختہ تھے، چنانچہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے سوال کیا کہ میرے بعد جب سلطنتیں قائم ہوں گی اور شہر فتح ہوں گے اور تمہارے پاس خوب مال ہوگا تو اس وقت تم کیا کروگے؟ صحابہ کرام نے جواب دیا کہ یارسول اللہ! اس وقت ہم اللہ کی عبادت کے لیے فارغ ہوجائیں گے: "قَالُوا: يَارَسُولَ اللّٰهِ نَحْنُ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌمِنَّا الْيَوْمُ نَتَفَرَّغُ لِلْعِبَادَةِ وَنُكْفٰى الْمُؤْنَةُ" (۱) تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمہاری جو حالت اسوقت ہے یہی مناسب ہے، دیکھئے صحابہ کرامؓ کے لیے بھی مال کی کثرت پسند نہیں کی گئی، اسی لیے اللہ تعالی اپنے بعض بندوں کو بغیر مال کے رکھتے ہیں اور ان کی نیک نیتی کی وجہ سے اجروثواب سے نوازتے ہیں۔

(۱) ترمذی کتاب صفۃ القیام والرقائق والورع حدیث ۲۴۰۰۔

ترقی کی قسمیں

ترقی اچھے ذرائع سے بھی ہوسکتی ہے اور خراب سے بھی، اور بھی بہت سی چیزوں سے ترقی حاصل کی جاسکتی ہے، مثلاً کوئی علم کے ذریعہ ترقی حاصل کرتا ہے، اور کوئی صنعت وحرفت کے، مگر بھلائی میں ترقی کرنا تو ترقی ہے اور وہ صحیح بھی ہے، رہی بات برائی میں ترقی کی تو اس کا تو کرنا ہی برا ہے، ورنہ تو ایک ڈاکو کو بھی یہ کہنے کا حق ہے کہ آپ مجھ کو چوری سے کیوں روک رہے ہیں، میں تو ترقی کرنا چاہتا ہوں، اسی طرح سے شراب خور، جوا، سٹہ باز، بدمعاش، کفن چور وغیرہ کو بھی یہ کہنے کا حق ہے کہ ہم بھی ان کاموں سے ترقی کے خواستگار ہیں تو انہیں روکنا کیونکر درست ہوگا، اور جو علم صحیح کے ذریعہ ترقی کرتے ہیں وہ بھی ترقی ہی ہے خواہ وہ دنیاوی علم ہو یا دینی، مگر اس میں بھی اصل ترقی علم دین میں ترقی ہی سے ہے، ویسے صنعت وحرفت میں بھی - اگر وہ اسلام کے دائرہ میں ہو-ترقی کی جاسکتی ہے، غرضیکہ ہر وہ ترقی جو اسلامی اصول وقوانین سے متصادم نہ ہو اور شریعت کے خلاف نہ ہو تو وہ ترقی محبوب ومطلوب اور مقصود ہے ورنہ مردود وممنوع ہے۔

اسلاف کی ترقی اور موجودہ ترقی

آج کا دور ٹیکنالوجی اور سائنس کا دور ہے، زمانہ کی رفتار تیز ہے، انسان نے کافی ترقی کرلی ہے، چاند پر کمند ڈالدی ہے اور اس کارخانہ حیات میں اکثر ایک انسان دوسرے سے آگے بڑھنے، زیادہ ترقی کرنے کی دوڑ میں ہے اور تنافس بلکہ حرص وطمع میں ایک دوسرے کو پچھاڑنے کی کوشش میں ہے، یہ شکل اسلام کے منافی ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کے دلوں میں اس کا خیال بھی نہیں تھا، نہ آقائے مدنی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کبھی اس کی تعلیم دی، نہ ہمارے اسلاف نے کبھی اس کو دل میں جگہ دی، تو آج یہ

مسلمانوں کے دلوں میں کیوں راسخ ہوتا جا رہا ہے، آج بھی مسلمان اگر اس کو دل سے نکال دیں اور اسلامی اصول وقوانین کے ذریعہ سے اور آقائے مدنی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے طریقے سے اور سلف صالحین کی ترقی کے جو نمونے ملتے ہیں ان کو پیش نظر رکھ کر ترقی کے میدان میں آئیں تو پھر دیکھئے کہ کیسی ترقی ہوتی ہے انشاء اللہ، وہ ترقی ہوگی جو کسی کے خواب میں بھی نہ آئی ہوگی۔

صحابہ کرام کی ترقی

صحابہ کرام نے کیسے ترقی کی؟ حکومتیں بھی قائم کیں اور اللہ کے پیارے بھی ہوئے، ان کے متعلق تو اللہ سبحانہ وتعالی اپنی کتاب میں فرماتے ہیں:"اَلَّذِيْنَ إِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَآتَوُا الزَّكٰوةَ وَأَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ"(۱) یعنی یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کو اگر ہم دنیا میں سلطنتیں دیدیں تو یہ نمازیں قائم کریں گے اور زکوۃ ادا کریں گے اور اچھائیوں کا حکم کریں گے اور برائیوں سے روکیں گے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہ کی ترقی کیسی تھی؟ کیا انہوں نے بھی شریعت سے ہٹ کر غیروں کی تقلید کر کے ترقی حاصل کی؟ ہرگز نہیں، اگر غیروں کی تقلید کر کے ترقی ہوتی تو ہمارے لیے بھی وہ نمونہ ہوتی؛ لیکن چونکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے، تو وہ کیونکر ہمارے لیے پسندیدہ ہوسکتی ہے، انہوں نے تو مذہب اسلام کی تقلید اور پیروی کی، اور اسی کی ترغیب دی، اور اسی کے ذریعے سے ترقی حاصل کی، تو پھر آج مسلمان اس سے کیوں بے پرواہ ہے، موجودہ دور میں اس سے بہت بے اعتنائی برتی جا رہی ہے، عام طور پر لوگوں کے نزدیک جن چیزوں میں ترقی سمجھا جاتا ہے وہ تین ہیں: مال کی، عزت کی، حکومت کی۔

(۱) سورۂ حج آیت ۴۱

مال کی ترقی

مال کی ترقی میں غیر قوموں کو دیکھ کر مسلمان کی رال ٹپکتی ہے، مسلمان کے پاس دو وقت کا کھانا اور ایک رہنے کا مکان اور ستر چھپانے کے لیے کپڑا ہو، تو یہ اس کے لیے کافی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں صحابہ کرام کو تو اتنا بھی حاصل نہیں تھا، سرور کائنات محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں فرمایا جس کا مفہوم یہ ہے کہ تم میں سے اگر کوئی اس حالت میں صبح کرے کہ اس کے پاس ایک وقت کا کھانا ہو اور رات کو سونے کے لیے اور پہننے کے لیے کپڑا ہو تو اس کو دنیا کی گویا تمام دولت مل گئی، تو مسلمان مال کی ہوس میں اتنا حیران وپریشان کیوں ہے؟ اگر مسلمانوں کے لیے مال کی کثرت مقصود ہوتی تو صحابہ کرام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی ترغیب دیتے۔

عزت کی ترقی

اللہ جل شانہ نے قرآن مجید میں فرمایا:"وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ"(۱) اور عزت تو اللہ ہی کیلئے ہے اور اس کے رسول اور مومنین کے لیے، اس آیت کے اندر عزت میں ترقی ہونا اللہ تعالی اور اس کے رسول نیز سچے مسلمانوں ہی کا حق بتایا گیا ہے، اور عزت کی ترقی سے دو ہی فائدے ہیں، ایک تو نفع اٹھانا ہے دوسرے ضرر سے بچنا، پس مال سے نفع بھی پہنچتا ہے، اور ضرر سے بھی بچا جاتا ہے، یعنی انسان کو بھوک لگتی ہے تو وہ کھانا کھا کر بھوک کے ضرر سے بچتا ہے، ایسے ہی عزت سے بھی نفع ہوتا ہے اور ضرر سے بھی بچا جاتا ہے؛ کیونکہ جب آدمی باعزت ہوتا ہے تو اکثر اس کی عزت کرتے ہیں اور سب کے ضرر سے بچتا ہے۔

(۱) سورۂ منافقون آیت ۸

حکومت کی ترقی

مسلمان نماز، روزہ کی پابندی، اللہ تعالی اور اس کے رسول کی مکمل اطاعت کرتے رہیں، اسی میں ان کی ترقی مضمر ہے، اکثر لوگوں نے نماز روزے کے صرف اجر وثواب پر نظر رکھی ہے اس کے دیگر دینی ودنیاوی فائدوں پر نہیں، حالانکہ مسلمانوں کی تاریخ شاہد ہے کہ اتباع شریعت کے نتیجہ میں دنیاوی کامیابیاں حتی کہ حکومتیں بھی حاصل ہوئیں، پھر انہوں نے ان حکومتوں سے محض دین کے فروغ کا کام لیا، چنانچہ صحابہ کرام نے حکومتیں کیں (جن کو حقیقی حکومت الٰہیہ سے تعبیر کرسکتے ہیں) کیونکہ انہوں نے اللہ ورسول کے احکام کے نفاذ کے لیے حکومت کی اور دنیا میں اللہ کا قانون چلایا، اس لیے ان کی دین پسندی اور دین داری خدا تعالی نے قبول فرمائی، چنانچہ انہیں کے متعلق فرمایا: "اَلَّذِيْنَ إِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ أَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَأٰتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ" (۱) یعنی یہ تو وہ لوگ ہیں کہ اگر ان کو ہم دنیا میں حکومت دیدیں تو یہ نمازیں ادا کرتے رہیں اور زکوۃ دیتے رہیں اور اچھائیوں کا حکم کرتے رہیں اور برائیوں سے روک ٹوک کرتے رہیں، اگر مسلمانوں نے حکومت میں ترقی کی ہے تو اس میں بھی خداوند تعالی کی رضا ہی مقصود رہی۔

اسلامی اصول اور غیروں کی ترقی کا اصلی راز

کہا جاتا ہے کہ ترقی جن چیزوں سے ہوتی ہے ان میں سے بعض کو علماء اسلام نے خارج کردیا ہے، مثلاً تجارت کے اندر ترقی کی جاتی ہے تو ان میں سے بعض طریقوں کو ناجائز قرار دیدیا ہے، جس کی وجہ سے مسلمان ترقی نہیں کرسکتے۔

(۱) سورۂ حج آیت ۴۱

بعض کہتے ہیں کہ بے پردگی کو چونکہ علماء منع فرماتے ہیں اس وجہ سے مسلمان عورتیں بیع وشراء نہیں کرسکتیں، اس لیے وہ ترقی سے محروم ہیں، حقیقت میں یہ باتیں صحیح نہیں بلکہ غیروں نے جو ترقی کی ہے اور کررہے ہیں اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ ان کے اندر مستقل مزاجی اور نظم وانتظام، تجارتی امانت ودیانت، تجارتی اصول سے پوری واقفیت اور اس کی پابندی، اوقات کی پابندی، کفایت شعاری، نیز حکمت عملی سے کام کرنا یہ تمام چیزیں ہیں اور ترقی کے یہ تمام اصول لوگوں نے اسلام سے لیے ہیں، لیکن مسلمان ان کے برتنے میں کوتاہ واقع ہوئے ہیں، اب بھی اگر ان کی قدر کرلیں تو سب گر مسلمانوں کو دئے گئے تھے، جنہیں انہوں نے چھوڑ دیا، حالانکہ جو بھی ان پر عمل کرے اور ان کے تقاضوں پر چلے وہ ترقی کرے گا، انشاء اللہ۔

مذہب اسلام تو ترقی کا داعی ہے نہ کہ مخالف، اللہ تعالی ہم تمام مسلمانوں کو اسلام اور اس کے احکام پر عمل کی توفیق عطا فرمائے اور ترقی کی جو راہیں اسلام نے بتلائی ہیں ان پر عمل پیرا ہونے کی توفیق وہمت عطا فرمائے۔

اسلام میں پردہ کی اہمیت☆

ہرزمانہ میں پردہ کارواج

عورت نے اپنے آپ کواتنا گرادیا ۞ سر سے کیا دوپٹہ گلے سے ہٹادیا

پردہ کا ہرزمانہ میں ہرشریف خاندان میں اسلام سے پہلے بھی رواج رہا ہے، بلکہ مردوزن کے بے محابہ اختلاط کو ہرزمانے کے شرفاء نے ناروااور ناجائز سمجھا ہے،مگر مغربی تہذیب یورپین اقوام کی سرانگیزی، ان کی فیشن وعریانیت کی نقالی نے صرف غیرمسلم خواتین کوہی نہیں بلکہ مسلمان گھرانوں کی عورتوں کوبھی اپنے لپیٹ میں لے لیا ہے، یہاں تک کہ وہ دولت عظمی وہ سرمایہ بیش بہا جس کو چھپا کر بند گھروں اور مکانوں کی چہار دیواریوں میں رکھا جاتا تھا، وہ گراں قدر نعمت، دین ودنیا کی عزت وعظمت جس سے قوموں کا اور خاندانوں کا وقار بلند وبالا تھا، آج وہ بے پردگی کے باعث بازاروں کی رونق، محفلوں کی عظمت ،کلبوں کی زینت انسانیت کی پیشانی کا بدنما کالا داغ ہے، اور خاندان کی ذلت واہانت کا سامان بنا ہوا ہے۔

عورت گھر کی زینت ہے

غور کرنے کا مقام ہے کہ اسلام نے عورت کواس کا اصل حق اور حقیقی مقام دیا ہے، یہاں تک کہ اس کی عزت وعظمت میں چار چاند لگائے ہیں، اس کو ان عبادات میں مردوں کے برابر گھر بیٹھے ہوئے وہ اجروثواب عطا کیا ہے، جو مردوں کو گھر سے باہر نکل

☆ یہ مضمون جامعہ فاطمۃ الزہراء للبنات مظفرآباد کی طالبات کو۲۰۰۵ء میں تقریر کے طور پر لکھ کر دیا گیا تھا، اب کچھ ترمیم کرنے کے بعد کتاب کا جزء بنایا جارہا ہے۔

کرادا کرنی پڑتی ہیں، اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے:"وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَاتَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاھِلِیَّۃِ الْاُوْلٰی "(۱)اورتم اپنے گھروں میں رہو، زمانہ جاہلیت کی طرح اپنے بدن کا اعلانیہ مظاہرہ نہ کرو، مطلب یہ ہے کہ عورت گھروں کی زینت ہے نہ کہ بازاروں کی، وہ خاندان کی عزت ہے نہ کہ ذلت ورسوائی ،اس سے معاشرہ وجود میں آتا ہے، اگر وہ حکم خداوندی کے مطابق اپنے گھر میں رہے گی تو اس سے ایک اچھااور صالح معاشرہ وجود میں آئے گا۔

قرآن کریم اوراحادیث میں پردہ کی اہمیت

اسلام میں پردہ کی اہمیت اس قدر ہے کہ خوداللہ تبارک وتعالی نے پردہ کی بابت سات آیات میں ارشاد فرمایا ہے اور خیرالقرون کی ان پاکباز عورتوں کوحکم دیا ہے جونبی کی تربیت یافتہ، نبی کی صحبت یافتہ ،جن سے زیادہ پاکباز وپاکدامن اس صنف نازک میں نہیں ہوسکتا، خودحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پردہ کے متعلق ستر سے زیادہ احادیث میں ارشاد فرمایا ہے۔

اللہ تعالی قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے:"وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنَاتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِھِنَّ وَیَحْفَظْنَ فُرُوْجَھُنَّ وَلَایُبْدِیْنَ زِیْنَتَھُنَّ اِلَّامَاظَھَرَ مِنْھَا وَلْیَضْرِبْنَ بِخُمُرِھِنَّ عَلٰی جُیُوْبِھِنَّ وَلَایُبْدِیْنَ زِیْنَتَھُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِھِنَّ "(۱)اور فرمادیجئے اے محمد! ان مومن عورتوں سے کہ وہ اپنی نگاہوں کو نیچی رکھیں، اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، اپنی زیبائش کو نہ دکھلائیں مگر جس قدر زیبائش ناگزیر ہے اس کے ظہور میں کوئی حرج نہیں اوراپنی اوڑھنیاں اپنے گریبان یعنی اپنے سینوں پر ڈال لیں اوراپنے سنگار کواپنے محرم لوگوں کے سامنے کھول سکتی ہیں، اس آیت میں اللہ تعالی نے مومن عورتوں کو خطاب کرکے فرمایا ہے اور نگاہوں کو نیچی رکھنے کا حکم دیا ہے۔

(۱) سورۂ احزاب آیت ۳۳۔

(۲) سورۂ نور آیت ۳۱۔

آج کل عورتیں کیسے پردہ کرتی ہیں

اگر آج عورتیں کسی درجہ میں پردہ کرتی ہیں تو اس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ انکے چہروں پر تو نقاب ہیں، بظاہر تو وہ اپنا منھ چھپا کر رکھتی ہیں مگر ان کی نگاہیں نیچی نہیں رہتیں، وہ مردوں کو دیکھتی رہتی ہیں، مرد تو ان کے چہروں کو، ان کے جسموں پر کپڑوں کی وجہ سے نہیں دیکھ سکتے مگر وہ ان کو دیکھتی رہتی ہیں، حالانکہ اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے، مومن عورتیں نگاہیں نیچی رکھیں، نہ ہی وہ مرد کو دیکھیں اور نہ مرد ان کو دیکھیں۔

نابینا صحابی سے پردہ کا حکم

آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ ایک مرتبہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ تھے کہ اتنے میں ایک نابینا صحابی حضرت عبداللہ ابن ام مکتومؓ تشریف لاکر دستک دیتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات کو اندر جانے اور پردہ کرنے کا حکم دیتے ہیں، وہ کہتی ہیں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ تو نابینا ہیں، ہم کو نہیں دیکھ سکتے، آپؐ نے فرمایا تم تو نابینا نہیں ہو، تم ان کو دیکھ سکتی ہو، اس واقعہ سے اسلام میں پردہ کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، اسلام پردہ کرنے کا حکم دیتا ہے وہ عورت کے حقوق کو پامال نہیں کرتا بلکہ اس کو اس کا حق دلاتا ہے، وہ عورت کی عزت کو ملیا میٹ نہیں کرنا چاہتا بلکہ اس کی عزت وعظمت میں چار چاند لگانا چاہتا ہے۔

شیطان عورت کی تانک جھانک کرتا ہے

اگر مجبوری کے درجہ میں گھر سے باہر نکلنے کی ضرورت پڑے تو حجاب کے ساتھ نکلیں، چھن چھناتے ہوئے زیوارت پہن کر مت نکلیں، بڑی سادگی سے آئیں جائیں، زیادہ تر عورتیں جہنم میں پردہ نہ کرنے کی وجہ سے جائیں گی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

جب عورت گھر سے باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کی تانک جھانک کرتا ہے۔

عورتوں کے نام اسلام کا پیغام

قرن اول کی مسلمان عورتوں کی اور صحابیات کی نقل کرنی چاہئے، ان کے نقش قدم پر چل کر کامیاب ہوجاؤ گی، فیشن پرست عورتوں کی نقالی چھوڑنی چاہئے، یورپ وامریکہ کی ننگی تہذیب کی نقل ترک کرنی چاہئے، ٹی وی، وی سی آر اور اخبار کی ننگی تصویریں دیکھ کر ان کا فیشن اختیار نہیں کرنا چاہئے، اور آج کل موبائل اور انٹرنیٹ کے ذریعہ سے جو فحاشی عام ہورہی ہے، بے حیائی کا خوب چلن ہورہا ہے، اس سے احتیاط ضروری ہے، نہیں تو عورتوں کا وقار مجروح ہوگا، اور ان کی دنیا آخرت برباد ہوگی، آج کل عورتوں کا بری طرح استحصال کیا جارہا ہے، ہر چیز پر عورتوں کی تصویریں شائع کی جارہی ہیں، یہ مغرب کی ایک سازش ہے، اس پر عورتوں کو عالمی عدالت میں اپنا احتجاج درج کرانا چاہئے اور اپنی عزت وناموس کی خاطر شرعی واخلاقی اقدام کرنا چاہئے ،اسلامی تعلیم کے مطابق زندگی گزارنا چاہئے ،مرد وزن کے اختلاط کو جائز نہ سمجھنا چاہئے، اللہ تعالی ہم سب کی حفاظت فرمائے اور پردہ کی اہمیت کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اکبرالہ آبادی نے بے پردگی سے متعلق اپنی دلی کڑھن کو اس انداز میں بیان کیا ہے: ؎

بے پردہ نظر آئیں جو کل چند بیویاں
اکبر زمیں میں غیرت قومی سے گڑ گیا

پوچھا جو ان سے آپ کا پردہ وہ کیا ہوا
کہنے لگی کہ عقل پہ مردوں کی پڑ گیا

عورتوں کے لیے علم کی اہمیت ☆

علم طلب کرنا ہر مسلمان مرد وعورت پر فرض ہے

تعلیم ایک ایسا جوہر ہے جس کے ذریعہ انسان اپنے خالق ومعبود کے حقوق کو پہنچانتا ہے، اپنی دنیا وآخرت کا سدھارتا ہے، تعلیم کے ذریعہ ایک شریف، مہذب انسان بنتا ہے، جس طرح مرد کیلئے علم حاصل کرنا ضروری ہے، اسی طرح عورت کیلئے بھی علم حاصل کرنا ضروری ہے، حدیث شریف میں حضور اقدس محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلىٰ كُلِّ مُسْلِمٍ" (۱) علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد وعورت پر فرض ہے، اتنا علم جس سے اپنے خالق ومعبود کے حقوق کو پہنچاننے کی اور حلال وحرام کی تمیز ہوتی ہو، فرض ہے، باقی علوم کو حاصل کرنا فرض کفایہ ہے۔

عورت معاشرے کی بنیادی اینٹ

عورت معاشرے کی وہ بنیادی اینٹ ہے جس پر معاشرے کی تعمیر ہوتی ہے، عورت کی گود بچہ کا سب سے پہلا مدرسہ ہے، سب سے پہلا اسکول ہے، اگر عورت (بچہ کی ماں) دینی تعلیم سے واقف ہے تو اپنے نومولود بچہ کی صحیح تربیت کرسکے گی، اس لیے مسلمان عورتوں اور لڑکیوں کو چاہئے کہ وہ علم حاصل کریں، اپنے گھر والوں کو آمادہ کریں، وہ اپنے بچوں کو بچیوں کو دین کی تعلیم دیں، قرآن کی تعلیم دیں، حدیث کی تعلیم دیں، غرضیکہ اسلامی

☆ یہ مضمون جامعہ فاطمۃ الزہراء للبنات مظفرآباد کی طالبات کو ۲۰۰۲ء میں تقریر کے طور پر لکھ کر دیا گیا تھا، اب کچھ ترمیم کرنے کے بعد کتاب کا جزء بنایا جارہا ہے۔

(۱) سنن ابن ماجہ کتاب المقدمہ حدیث نمبر ۲۲۰

تعلیم وتربیت سے آشنا کرائیں، تاکہ ان کی گود میں پلنے والے بچوں کی صحیح تربیت ہوسکے اور آئندہ ان کی گود میں پلنے والے بچے مستقبل کے امام غزالی، امام ابن تیمیہ، شاہ ولی اللہ، مجدد الف ثانی، سلطان صلاح الدین ایوبی، حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، حکیم الامت حضرت تھانوی، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں ندویؒ جیسے کامل انسان بن سکیں، اللہ تعالی ہم سب کو علم دین حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

زمانہ نام ہے میرا تو میں سب کو دکھا دوں گا
کہ جو تعلیم سے بھاگیں گے نام ان کا مٹا دوں گا

آٹھواں باب

شخصیات

دوممتاز صحابیات اور عملِ تجارت☆

تجارت ایک بابرکت پیشہ ہے

تجارت ایک بابرکت عمل اور پیشہ ہے، اسلام میں اس پیشہ کو اختیار کرنے کی فضیلت آئی ہے، اور ایمان دار تاجر کے سلسلہ میں بشارتیں اور خوشخبریاں ہیں، خود حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے تجارت کی ہے، اور اس سلسلہ میں شام کا سفر کیا ہے، اور اس میں بڑے فائدے اور بڑا نفع ہوا ہے، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو اس پیشہ کے اختیار کرنے کے سلسلہ میں ہدایات اور تعلیمات پیش فرمائی ہیں، اسی لئے مسلمانوں نے اس پیشہ کو اختیار کیا، اور صحابہ کرام نے تجارت کی غرض سے دور دراز کے سفر کئے۔

تاجر صحابیات

بلکہ بعض صحابیات نے بھی تجارت کی ہے، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی تجارت مشہور ہے، حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ کا سامان تجارت لے کر شام کا جو سفر کیا تھا اس میں بے حد برکت ہوئی تھی، اس کے بعد وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں آ کر ام المومنین کے لقب سے ملقب ہوئیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کی پہلی معاون اور مددگار خاتون واقع ہوئیں، سیر الصحابیات کے دیباچہ میں ہے کہ ”صحابیات میں بعض عورتیں تجارت بھی کرتی تھیں، چنانچہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی تجارت نہایت وسیع پیمانہ پر شام سے تھی، اور حضرت خولا رضی اللہ عنہا، حضرت ملیکہ والدہ سائب ابن اقرع، ثقفیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اسماء بنت مخربہ رضی اللہ عنہا عطر کی تجارت کیا کرتی تھیں۔(۱)

☆ یہ مضمون دوماہی طیبات بھٹکل کے خصوصی نمبر کے لئے لکھا گیا تھا۔ (۱) سیر الصحابیات صفحہ۱۳-۱۴۔

یہاں حضرت خدیجہ اور حضرت اسماء بنت مخربہ کے مختصر حالات تحریر کئے جاتے ہیں:

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب

خدیجہ نام، ام ہند کنیت، طاہرہ لقب، سلسلہ نسب یہ ہے، خدیجہ بنت خویلد بن اسد بن عبدالعزی بن قصی، قصی پر پہنچ کران کا خاندان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان سے مل جاتا ہے، والدہ کا نام فاطمہ بنت زائدہ تھا، اور لوی بن غالب کے دوسرے بیٹے عامر کی اولاد تھیں۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے والد اپنے قبیلہ میں نہایت معزز شخص تھے، مکہ آ کر اقامت کی، عبدالدار بن قصی کے جوان کے ابن عم تھے، حلیف بنے اور یہیں فاطمہ بنت زائدہ سے شادی کی، جن کے بطن سے عام الفیل سے ۱۵/سال قبل حضرت خدیجہ پیدا ہوئیں، سن شعور کو پہنچیں تو اپنے پاکیزہ اخلاق کی بنا پر طاہرہ کے لقب سے مشہور ہوئیں۔

نکاح

باپ نے ان صفات کا لحاظ رکھ کر شادی کے لئے ورقہ بن نوفل کو جو برادر زادہ اور تورات وانجیل کے بہت بڑے عالم تھے، منتخب کیا لیکن پھر کسی وجہ سے یہ نسبت نہ ہوسکی اور ابو ہالہ بن نباش تمیمی سے نکاح ہوگیا، ابو ہالہ کے بعد عتیق بن عابد مخزومی کے عقد نکاح میں آئیں، اسی زمانہ میں حرب الفجار چھڑی، جس میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے باپ لڑائی کے لئے نکلے اور مارے گئے، یہ عام الفیل سے ۲۰/سال بعد کا واقعہ ہے۔

تجارت

باپ اور شوہر کے مرنے سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو سخت دقت واقع ہوئی،

ذریعہ معاش تجارت تھی، جس کا کوئی نگراں نہ تھا، تاہم اپنے اعزہ کو معاوضہ دے کر مال تجارت بھیجتی تھیں، ایک مرتبہ مال کی روانگی کا وقت آیا تو ابوطالب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ تم کو خدیجہ سے جا کر ملنا چاہئے، ان کا مال شام جائے گا، بہتر ہوتا کہ تم بھی ساتھ جاتے میرے پاس روپیہ نہیں ورنہ میں خود تمہارے لئے سرمایہ مہیا کر دیتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہرت ''امین'' کے لقب سے تمام مکہ میں تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن معاملت، راست بازی، صدق ودیانت اور پاکیزہ اخلاق کا عام چرچا تھا، حضرت خدیجہ کو اس گفتگو کی خبر ملی تو فوراً پیغام بھیجا کہ ''آپ میرا مال تجارت لے کر شام کو جائیں، جو معاوضہ میں اوروں کو دیتی ہوں آپ کو اس کا مضاعف دوں گی''۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمالیا اور مال تجارت لے کر میسرہ (حضرت خدیجہ کا غلام) کے ہمراہ بصریٰ تشریف لے گئے، اس سال کا نفع سالہائے گذشتہ کے نفع سے مضاعف تھا۔

حضرت خدیجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں

حضرت خدیجہ کی دولت وثروت اور شریفانہ اخلاق نے تمام قریش کو اپنا گرویدہ بنالیا تھا اور ہر شخص ان سے نکاح کا خواہاں تھا، لیکن کارکنان قضا وقدر کی نگاہ انتخاب کسی اور پر پڑ چکی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مال تجارت لے کر شام سے واپس آئے تو حضرت خدیجہ نے شادی کا پیغام بھیجا، نفیسہ بنت منیہ (یعلی بن امیہ کی ہمشیرہ) اس خدمت پر مقرر ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منظور فرمایا اور شادی کی تاریخ مقرر ہوگئی، حضرت خدیجہ کے والد اگرچہ وفات پاچکے تھے، تاہم ان کے چچا عمرو بن اسد زندہ تھے، عرب میں عورتوں کو یہ آزادی حاصل تھی کہ شادی بیاہ کے متعلق خود گفتگو کرسکتی تھیں، اسی بنا پر حضرت خدیجہ نے چچا کے ہوتے ہوئے بھی خود براہ راست تمام مراتب طے کئے۔

تاریخ معین پر ابوطالب اور تمام روسائے خاندان جن میں حضرت حمزہ بھی تھے، حضرت خدیجہ کے مکان پر آئے، حضرت خدیجہ نے بھی اپنے خاندان کے چند بزرگوں کو جمع کیا تھا، ابوطالب نے خطبہ نکاح پڑھا، عمرو بن اسد کے مشورہ سے ۵۰۰/سو طلائی درہم مہر قرار پایا اور خدیجہ طاہرہ حرم نبوت ہوکر ام المومنین کے شرف سے ممتاز ہوئیں، اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پچیس سال کے تھے اور حضرت خدیجہ کی عمر چالیس برس کی تھی، یہ بعثت سے پندرہ سال قبل کا واقعہ ہے۔

اسلام

پندرہ برس بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیغمبر ہونے کا اعلان کیا تو سب سے پہلے حضرت خدیجہ نے تصدیق کی اور وہ ایمان لائی، اس طرح حضرت خدیجہ نے پوری زندگی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صبر واستقامت اور اطاعت وفرمانبرداری اور خدمت نبوی میں گزاری۔

وفات

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نکاح کے بعد ۲۵/برس تک زندہ رہیں اور ۱۱/رمضان ۱۰/نبوی (ہجرت سے تین سال قبل) انتقال کیا، اس وقت ان کی عمر ۶۴/سال ۶/ماہ تھی، چونکہ نماز جنازہ اس وقت تک مشروع نہیں ہوئی تھی، اس لئے ان کی لاش اسی طرح دفن کر دی گئی۔

آنحضرت صلی اللہ علی وسلم خود ان کی قبر میں اترے اور اپنی سب سے بڑی غمگسار کو داعی اجل کے سپرد کیا، حضرت خدیجہ کی قبر حجون میں ہے، اور زیارت گاہ خلائق ہے۔

حضرت خدیجہ کی وفات سے تاریخ اسلام میں ایک جدید دور شروع ہوا، یہی وہ زمانہ ہے جو اسلام کا سخت ترین زمانہ ہے اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سال کو عام

الحزن (سال غم) فرمایا کرتے تھے، کیونکہ ان کے اٹھ جانے کے بعد قریش کو کسی شخص کا پاس نہیں رہ گیا اور اب وہ نہایت بے رحمی اور بیباکی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ستاتے تھے، اسی زمانہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ناامید ہوکر طائف تشریف لے گئے تھے۔

اولاد

حضرت خدیجہ کے بہت سی اولاد ہوئی، ابوہالہ سے جوان کے پہلے شوہر تھے، دولڑکے پیدا ہوئے، جن کے نام ہالہ اور ہند تھے، دوسرے شوہر یعنی عتیق سے ایک لڑکی پیدا ہوئی، اس کا نام بھی ہند تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے چھ اولادیں ہوئیں، دو صاحبزادے جو بچپن میں انتقال کر گئے اور چار صاحبزادیاں، جن کے نام حسب ذیل ہیں:

(۱) حضرت قاسم رضی اللہ عنہ: حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بڑے لڑکے تھے، ان ہی کے نام پر آپ ابوالقاسم کنیت کرتے تھے، صغرسنی میں مکہ میں انتقال کیا، اس وقت پیروں چلنے لگے تھے۔

(۲) حضرت زینب رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی صاحبزادی تھی۔

(۳) حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے بہت کم عمر پائی، چونکہ زمانہ نبوت میں پیدا ہوئے تھے، اس لئے طیب وطاہر کے لقب سے مشہور ہوئے۔

(۴) حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا۔

(۵) حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا۔

(۶) حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا، ان سب میں ایک ایک سال کا فرق تھا، حضرت خدیجہ اپنی اولاد کو بہت چاہتی تھیں اور چونکہ دنیا نے بھی ساتھ دیا تھا یعنی صاحب ثروت تھیں، اس لئے عقبہ کی لونڈی سلمہ کو بچوں کی پرورش پر مقرر کیا تھا وہ ان کو کھلاتی اور دودھ

پلاتی تھیں۔

ازواج مطہرات میں حضرت خدیجہ کوبعض خاص خصوصیتیں حاصل ہیں، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی بیوی ہیں، جب عقد نکاح میں آئیں تو ان کی عمر چالیس برس کی تھی، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی زندگی میں دوسری شادی نہیں کی، حضرت ابراہیم کے سوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اولاد انہی سے پیدا ہوئی۔

فضائل ومناقب

ام المومنین حضرت خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کی عظمت وفضیلت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب فرض نبوت ادا کرنا چاہا تو فضائے عالم سے ایک آواز بھی آپ کی تائید میں نہ اٹھی، کوہ حرا، وادی عرفات، جبل فاران، غرض تمام جزیرۃ العرب آپ کی آواز پر ایک پیکر تصویر بنا ہوا تھا، لیکن اس عالمگیر خاموشی میں صرف ایک آواز تھی جو فضائے مکہ میں تموج پیدا کررہی تھی، یہ آواز حضرت خدیجہ طاہرہ کے قلب مبارک سے بلند ہوئی تھی، جو اس ظلمت کدہ کفر وضلالت میں انوار الٰہی کی دوسری تجلی گاہ تھی۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا وہ مقدس خاتون ہیں جنہوں نے نبوت سے پہلے بت پرستی ترک کردی تھی، چنانچہ مسند احمد ابن حنبل میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ سے فرمایا ''باللہ تعالی میں کبھی لات وعزی کی پرستش نہ کروں گا'' انہوں نے جواب دیا کہ لات کو جانے دیجئے، عزی کو جانے دیجئے، یعنی ان کا ذکر بھی نہ کیجئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب نبوت کی صدا بلند کی تو سب سے پہلے انہوں نے ہی اس پر لبیک کہا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کو ان کی ذات سے جو تقویت تھی وہ سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایک صفحہ سے نمایاں ہے، ابن ہشام میں ہے:

''وَكَانَتْ لَهُ وَزِيْرُ صِدْقٍ عَلَى الْإِسْلَامِ'' وہ اسلام کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی مشیر کار تھیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کو جو محبت تھی وہ اس سے ظاہر ہے کہ باوجود اس تمول اور اس دولت وثروت کے جو ان کو حاصل تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت خود کرتی تھیں، چنانچہ صحیح بخاری میں روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جبرائیل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ سے عرض کیا کہ خدیجہ رضی اللہ عنہا برتن میں کچھ لارہی ہیں، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کو اللہ تعالی کا اور میرا اسلام پہنچا دیجئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے بہت محبت تھی لیکن وہ مکہ میں غلام کی حیثیت سے رہتے تھے، حضرت خدیجہ نے ان کو آزاد کیا اور اب وہ کسی دنیاوی رئیس کے خادم ہونے کے بجائے شہنشاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حضرت خدیجہ سے بے انتہا محبت تھی، آپ نے ان کی زندگی تک دوسری شادی نہیں کی، ان کی وفات کے بعد آپ کا معمول تھا کہ جب گھر میں کوئی جانور ذبح ہوتا تو آپ ڈھونڈ ڈھونڈ کر ان کی سہیلیوں کے پاس گوشت بھیجواتے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ گو میں نے حضرت خدیجہ کو نہیں دیکھا، لیکن مجھ کو جس قدر ان پر رشک آتا تھا کسی اور پر نہیں آتا تھا، جس کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ ان کا ذکر کیا کرتے تھے، ایک دفعہ میں نے اس پر آپ کو رنجیدہ کیا لیکن آپ نے فرمایا کہ ''اللہ تعالی نے مجھ کو ان کی محبت دی ہے''۔

ایک دفعہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد ان کی بہن ہالہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے آئیں اور استیذ ان کے قاعدے سے اندر آنے کی اجازت مانگی، ان کی آواز حضرت خدیجہ سے ملتی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کانوں میں آواز پڑی تو یاد آگئیں اور آپ جھجھک اٹھے اور فرمایا کہ ''ہالہ ہوں گی'' حضرت عائشہ بھی موجود تھیں، ان کو نہایت رشک ہوا، بولیں کہ آپ کیا ایک بڑھیا کو یاد کیا کرتے ہیں، جو مرچکیں اور اللہ

تعالیٰ نے ان سے اچھی بیویاں آپ کو دیں، صحیح بخاری میں یہ روایت یہیں تک ہے لیکن استیعاب میں ہے کہ اس کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''ہرگز نہیں، جب لوگوں نے میری تکذیب کی تو انہوں نے تصدیق کی، جب لوگ کافر تھے تو وہ اسلام لائیں، جب میرا کوئی معین نہ تھا تو انہوں نے میری مدد کی اور میری اولاد ان سے ہوئی''، حضرت خدیجہ کے مناقب میں بہت سی احادیث مروی ہیں، صحیح بخاری اور مسلم میں ہے:''خَیْرُ نِسَائِهَا مَرْیَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ، وَخَیْرُ نِسَائِهَا خَدِیْجَةُ بِنْتِ خُوَیْلَدٍ'' (۱) عالم میں افضل ترین عورت مریم علیہا السلام اور خدیجہ رضی اللہ عنہا ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، خدیجہ آئیں تو فرمایا:''بَشِّرْهَا بِبَیْتٍ فِیْ الْجَنَّةِ مِنْ قَصَبٍ لَاصَخَبَ فِیْهِ وَلَانَصَبَ'' (۲) ان کو جنت میں ایک ایسا گھر ملنے کی بشارت سنا دیجئے، جو موتی کا ہوگا اور جس میں شور وغل اور محنت ومشقت نہ ہوگی۔

حضرت اسماء بنت مخرّبہ

بلاذری نے ابوعبیدہ معمر بن مثنی سے نقل کیا ہے کہ ہشام بن مغیرہ نجران آیا، تو اس نے اسماء بنت مخربہ کو دیکھا (جس کو بنت عمران بن مخربہ بن جندل بن ابی ابیر بن نہشل بن دارم بھی کہا جاتا ہے) تو اسماء ہشام کو پسند آ گئی، چنانچہ ہشام نے اسماء سے شادی کی، اور اسماء کو لے کر مکہ آئے اور یہاں ان کے بطن سے ابوجہل اور حارث پیدا ہوئے، پھر ہشام کا انتقال ہوگیا، پھر اسماء سے عبداللہ بن ابی ربیعہ بن مغیرہ نے شادی کی، یہاں اسماء سے عیاش پیدا ہوا، جو ابوجہل اور حارث کا ماں شریک بھائی ہے، ابن سعد فرماتے ہیں کہ اسماء کے یہاں عبداللہ بن ابی ربیعہ سے عبداللہ اور ام حجیر بھی پیدا ہوئے، بلاذری کا کہنا ہے کہ ابن سعد کہتے ہیں کہ اسماء بنت مخربہ اپنے بیٹے عیاش کے ساتھ مدینہ ہجرت کرنے سے

(۱) صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ترمذی حدیث ۳۸۱۲۔ (۲) صحیح بخاری حدیث نمبر ۳۵۶۱/۳۸۲۱۔

پہلے کفر کی حالت میں ہی مری، اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ اسلام لا چکی تھی اور حضرت عمر کی خلافت کا زمانہ پایا ہے، اور یہی بات ثابت ہے، پھر وہ واقدی کے طریق سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے عبدالحمید بن جعفر سے نقل کیا، انہوں نے ابوعبیدہ بن محمد بن عمار سے انہوں نے رُبیع بنت معوذ سے نقل کیا وہ فرماتی ہیں کہ میں انصار کی عورتوں کے ساتھ اسماء بنت مخربہ (ابوجہل کی ماں) کے پاس حضرت عمر بن خطاب کے زمانہ خلافت میں گئی ہوں، جب کہ اسماء کا بیٹا عیاش بن عبداللہ بن ربیعہ اس کے پاس یمن سے عطر بھیجتا تھا، جس کو وہ فروخت کرتی تھیں، چنانچہ اسماء نے مجھ سے کہا کہ تو اپنے سردار کے قاتل کی بیٹی ہے، میں نے کہا نہیں، بلکہ میں تو اپنے غلام کے قاتل کی بیٹی ہوں، اسماء نے کہا کہ مجھ پر حرام ہے کہ اپنے عطر میں سے کچھ بھی تجھے فروخت کروں، میں نے کہا مجھ پر بھی حرام ہے کہ میں اس میں سے کچھ خریدوں، پس میں نے تمہارے عطر میں گندگی کے سوا کچھ نہیں پایا۔

اور حالانکہ خدا کی قسم میں نے نہیں سونگھا کوئی عطر جو اس سے زیادہ اچھا ہو، لیکن میں غصہ میں تھی، پھر میں نے کہا اور وہ کہہ رہی تھی:

اَلْیَوْمَ یَبْدُوْ بَعْضُهٗ اَوْ کُلُّهٗ ۞ وَمَا بَدَامِنْهُ فَلَا أُحِلُّهٗ

کَمْ مِنْ لَبِیْبٍ عَاقِلٍ یَضِلُّهٗ ۞ وَنَاظِرٍ یَنْظُرُ مَا أُعِلُّهٗ (الرجز)

اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اسی کے سلسلہ میں سورہ اعراف میں یہ آیت نازل ہوئی ''خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ''۔(۱)

اور مسلم شریف میں ہے، ابوعمر نے اس کی بھتیجی اسماء بنت سلامہ کے حالات میں فرمایا کہ ام عبداللہ بن عیاش بن ابی ربیعہ ہے اور ام عیاش کا نام بنت مخربہ بھی ہے، اور یہ ابوجہل اور حارث بن ہشام کی ماں ہے اور وہ اسماء بنت سلامہ کی پھوپھی ہیں، وہ ام الجلاس عیاش کی والدہ اور عبداللہ بن ابی ربیعہ کی والدہ ہیں۔

(۱) سورۂ اعراف آیت ۳۱۔

اسماء سے عبداللہ بن عیاش اور ربیع بنت معوذ نے روایت کی، پھر اسحاق بن محمد القروی کے طریق سے نقل کیا، انہوں نے عبدالرحمٰن ابن ابی الزناد سے انہوں نے عبدالرحمٰن بن حارث سے انہوں نے اپنے بھائی عبداللہ بن حارث سے انہوں نے عبداللہ بن عیاش بن ابی ربیعہ سے نقل کیا، وہ فرماتی ہیں کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کسی مریض کی عیادت کے لئے یا کسی دوسرے کام سے بنی ابی ربیعہ کے بعض گھروں پر تشریف لے گئے، تو حضرت اسماء–جن کی کنیت ام الجلاس ہے اور یہ عیاش ابن ابی ربیعہ کی ماں ہیں– نے فرمایا یا رسول اللہ کیا آپ مجھے وصیت نہیں کرتے، حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "یَا اُمَّ الْجُلَاس! أئتی اِلیٰ اَخِیْكِ مَاتُحِبِّیْنَ أنْ یَّاتِیْ اِلَیْكِ، وَاَحِبِّیْ لِاَخِیْكِ (مَاتُحِبِّیْنَ) أَنْ یُحِبَّكِ" ۔(۱)

اے ام جلاس! تم اپنے بھائی کے پاس وہ چیز لے کر آؤ جو تم چاہتی ہو کہ وہ تمہارے پاس لے کر آئے اور اپنے بھائی کے لئے وہی چیز پسند کرو جو تم چاہتی ہو کہ وہ تمہارے لئے پسند کرے، پھر اولاد عیاش میں سے ایک بچہ حضور کی خدمت میں لایا گیا اور ام جلاس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بچہ کی کسی بیماری کا ذکر کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بچے کو جھاڑنے لگے اور تھوک کے چھینٹے دینے لگے، اور بچہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسے ہی تھوکنے لگا جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس پر جھاڑتے ہوئے چھینٹے دے رہے تھے، تو بعض گھر والے بچے کو روکنے لگے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو منع فرمایا، حضرت بنت مخربہ کے یہ حالات الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ سے منقول ہیں۔

(۱) جامع کبیر للسیوطی ۲/۵۳۱، کنز العمال للمتقی الہندی رقم ۳۷۴۵۸

مسعود عثمانی سے پہلی اور آخری ملاقات

پہلی ملاقات

مسعود عثمانی صاحب سے پہلی ملاقات محترم کرم فرما مولانا ندیم الواجدی صاحب ایڈیٹر ماہنامہ ''ترجمان دیوبند'' کے توسط سے غالباً ۱۳/یا ۱۴/اگست ۲۰۰۵ء میں اس وقت ہوئی، جب راقم سطور مرکز احیاء الفکر الاسلامی سے ایک دینی، دعوتی، علمی، ادبی، ثقافتی اور اصلاحی رسالہ ''ماہنامہ نقوش اسلام'' نکالنے کا قصد کر رہا تھا اور اس سلسلہ میں مشورہ کے لیے اور سرکاری کارروائی کے سلسلہ میں مولانا سے معلومات حاصل کرنے کے لیے دیوبند حاضر ہوا، مولانا سے باتیں ہو رہی تھیں کہ اچانک ایک لمبے بال والے باوقار سنجیدہ اور متوازن شخص تشریف لائے، مولانا موصوف نے اشارہ کر کے بتلایا کہ یہ مسعود عثمانی صاحب ہیں، قومی آواز میں لکھتے رہتے ہیں، ممتاز صحافی ہیں اور وہ اس سلسلہ کی کارروائی کو انشاءاللہ کرا دیں گے۔

نقوش اسلام کی منظوری میں عثمانی صاحب کی جدوجہد

ملاقات وتعارف کے بعد فوراً انہوں نے یقین دہانی کرائی کہ انشاءاللہ یہ کام ہو جائے گا، جو ضروری کارروائی تھی، وہ انہوں نے اسی وقت کرا لی، اس کے سلسلے میں پھر وہ سہارنپور اور دہلی بھی گئے، ان کی کارروائی سے رسالے کے نام کی منظوری تو مل گئی تھی، مگر ۱۴۲۶ھ کے رمضان سے وہ بے بیچارے ایسے بیمار پڑے کہ آخرت کے سفر پر ہی جا کر ان کو قرار آیا، جب کہ ان کا کہنا تھا کہ میری زندگی بھر کبھی طبیعت خراب نہیں ہوئی، حتی

کہ نزلہ زکام اور سر کا درد بھی نہیں ہوا، واللہ اعلم

عثمانی صاحب کی خصوصیات

مسعود عثمانی صاحب سے اگرچہ زیادہ دنوں کی ملاقات نہیں اور نہ ہی زیادہ ان کو دیکھنے کا موقع مل سکا، مگر جتنا بھی ملا، اس سے ان کی صاف گوئی، سنجیدگی، فکری توازن اور بلند ہمتی کا اندازہ ہوا، اور یہ صفات ہی انسان کو ہمہ جہت مقبول وممتاز بناتی ہیں، جہاں تک ان کی صحافتی زندگی کا تعلق ہے، تو وہ ایک بہترین صحافی تھے، انہوں نے تمام عمر سچائی کی حمایت میں اپنے قلم کا استعمال کیا اور صحافت کو ہمیشہ پاکیزگی اور تقدس کی بلندی پر رکھا، وہ اپنے خاندان کے پہلے صحافی اور نامہ نگار تھے، جن کے لیے صوبائی حکومت نے پاس جاری کر رکھا تھا، صحافت وادب میں انہوں نے اپنے منفرد اسلوب کی چھاپ چھوڑی اور اسّی کی دہائی میں وہ اس وقت کے سب سے مؤقر اخبار روزنامہ قومی آواز سے وابستہ ہوگئے، اور اپنی خوابیدہ صلاحیتوں کے چراغ روشن کئے، اس دوران اجلاس صدسالہ کے موقع پر انہوں نے اپنا آرگن پندرہ روزہ ”نگراسپارٹ“ بھی شروع کیا، جس نے علمی اور ادبی حلقوں سے خراج تحسین حاصل کیا۔

غرضیکہ وہ ایک قیمتی انسان، مسلمانوں کے ہمدرد اور ان کے کام آنے والے، خاص طور سے اہل مدارس کے مسائل کو بڑی ہمدردی اور فکر سے انگیز کرنے والے تھے۔

آخری ملاقات

فروری ۲۰۰۶ء کی کسی تاریخ میں دیوبند جانا ہوا، تو ان کی تیمارداری اور اپنے ایک کام کیلئے ان کے گھر جانا ہوا اور ان سے ملاقات ہوئی، ان کی طبیعت خراب تھی، مگر پھر بھی وہ دہلی گئے اور ہمارے رسالے کی منظوری کی ایک کاپی لے کر آئے، اور آئندہ یقین دلاتے رہے کہ اللہ تعالی مجھے شفا دیدے تو رجسٹریشن وغیرہ کی سبھی کارروائی انشاءاللہ کرادوں گا۔

وفات

مگر وہ تقدیر الٰہی کے بموجب صحت یاب نہ ہوسکے، اور ان کی زندگی میں پہلی مرتبہ جو مرض ان کو لاحق ہوا، وہ جان لیوا ہی ثابت ہوا، یہاں تک کہ وہ ۱۰/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۷ھ م ۷/ جولائی ۲۰۰۶ء کو اپنے مالک حقیقی سے جا ملے، اللہ تعالی ان کی مغفرت فرمائے، اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے اور انہوں نے جو دینی کام انجام دیئے ہیں یا جن لوگوں کی خیرخواہانہ ہمدردانہ مدد کی ان کی طرف سے بہترین اجر عطا فرمائے اور اپنے اعلی علیین میں بلند مقام عطا فرمائے۔

حسرت تو ان غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

ہر چیز فنا ہونے والی ہے

خالق کائنات کے علاوہ ہر چیز کو فنا ہونا ہے، یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا، مگر عمر طبعی سے قبل کسی انسان کا اس دار فانی کو چھوڑنا پسماندگان کے لیے باعث حیرت وافسوس ہوتا ہے، ورنہ تو فرمان خداوندی ”كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ“ کہ ہر جاندار کو موت کا مزہ چکھنا ہے، اس پر سب کو عین الیقین حاصل ہے، اور یہ بھی معلوم ہے کہ یہاں جو آیا ہے وہ جانے ہی کے لیے آیا اور ہر انسان کو ایک نہ ایک دن اپنے خالق ومالک کے حضور حاضر ہونا ہے، اس کے باوجود جانے والے پر اس کے اہل خانہ واہل تعلق کا غمگین ہونا ایک فطری عمل ہے، چہ جائیکہ ایک ایسی کلی کا جو ابھی مکمل طور پر کھلنے بھی نہ پائی تھی، اور اس پھول وغنچے کا جو اپنی معصومیت اور بے چارگی کے دن پورے بھی نہ کرپائے، اس کا اس دنیا چلے جانا اگر چہ خود اس کے لیے باعث خیر ہے کہ وہ جنت کی روح ہے، معصوم وبے گناہ ہے اور ماں باپ کے لیے بھی ذخیرہ آخرت ہے، پھر بھی والدین کے گہوارے سے ایک معصوم بچے یا بچی کا یک لخت خدا کے یہاں چلے جانا قیامت سے کم نہیں ہوتا، جس کی تکلیف کا اندازہ تو والدین ہی لگا سکتے ہیں، مگر چونکہ اللہ تعالی نے اس کا ایک وقت متعین کررکھا ہے، جان تو اللہ تعالی کی امانت ہے اور وہ امین سے اپنی امانت کو جب چاہے واپس لے لے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ ”اللہ ہی کا ہے جو اس نے دیا اور اللہ ہی کا ہے جو اس نے لیا اور ہر چیز کا ایک وقت متعین ہے“ اور جب وہ وقت آجاتا ہے ایک لمحے کی تقدیم وتاخیر نہیں ہوسکتی۔

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

راقم سطور کی عزیز بھتیجی عائشہ عزیزی برادر محترم ڈاکٹر مرغوب عالم عزیزی کی تیسری بیٹی تھی، جو غالباً نومبر ۲۰۰۰ء میں پیدا ہوئی تھی، وہ ۳/نومبر ۲۰۰۸ء بروز پیر تقریباً ۲/بجے دن میں اپنے پیدا کرنے والے مالک حقیقی کے پاس چلی گئی، وہ آٹھ سال کی تھی، گزشتہ سال ۱۴۲۸ھ کے رمضان میں عید الفطر سے ایک روز قبل بیمار ہوگئی تھی، دورہ کی شکل میں اس کو بیماری لاحق ہوئی، سال بھر اس کا علاج چلا، ڈاکٹروں کی سمجھ میں کچھ نہ آیا وہ دورہ کا مرض سمجھتے رہے اور مرض دن بدن بڑھتا اور جڑ پکڑتا رہا بالآخر رمضان سے قبل معلوم ہوا کہ اس کے سر میں ٹیومر ہے، جس کا ظہور بھی شروع ہوگیا تھا، اس طرح اس کی بینائی بھی زائل ہوتی نظر آئی، اور رمضان سے قبل ہی تقریباً اس کی نگاہ ختم ہوگئی تھی، اور ٹیومر بڑھنا شروع ہوگیا تھا، رمضان میں ایک معالج نے اس کو چیرا بھی دیا، جس کی تکلیف معصومہ نے برداشت کی، وہ ٹیومر گویا کہ کینسر کا تھا، اس لیے ڈاکٹروں نے علاج سے انکار کردیا تھا اور وہ ایک ناسور کی شکل اختیار کرگیا تھا، اس طرح اب وہ دو تین ماہ گویا موت وحیات کی کشمکش میں رہی، عصر کے بعد راقم اپنی والدہ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو اس بچی کو پکارتا عائشہ! تو وہ برجستگی سے جواب دیتی جی! اور پھر معلوم کرتا کیسی ہے طبیعت؟ وہ کہتی بس ایسی ہی، حسب معمول ۲/نومبر کو جب عصر کے بعد پہنچا تو آواز لگائی تو کوئی جواب نہیں ملا، راقم مغرب بعد اپنی قیام گاہ پر آگیا، بس اسی وقت سے تکلیف میں اضافہ ہوتا گیا، بیچاری رات بھر نزع کی کیفیت میں پریشان رہی، یہاں تک کہ ظہر کے وقت وہ اللہ کو پیاری ہوگئی اور یہ معصوم کلی صرف آٹھ سال کی عمر میں بن کھلے ہی مرجھا گئی اور یہ پھول اپنی داد لطافت کو پانہ سکا: ؎

یہ پھول اپنی داد لطافت کو پا نہ سکا
کھلا ضرور مگر کھل کے مسکرا نہ سکا

اسی دن عصر کی نماز کے بعد مولانا ریاض احمد صاحب مظاہری (استاذ مدرسہ فیض ہدایت رحیمی رائے پور) نے نماز جنازہ پڑھائی، اور ہمیشہ ہمیش کے لیے اس کو سپرد خاک کر دیا گیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

اس بچی کی کچھ خصوصیتیں

اس بچی میں کچھ خصوصیات تھیں، اور وہ شاید اسی لیے تھیں کہ وہ بہت جلد اللہ تعالی کی بارگاہ میں بھی چلی جائے گی، راقم سطور کو اس سے دلی لگاؤ اور محبت تھی، ایک تو اس کی معصومیت کی بنا پر، دوسرے اس کی سعادت و نیک بختی پر اور خدمت گزاری کی صفت پر، تیسرے یہ کہ وہ ''جامعہ فاطمۃ الزہرا للبنات'' میں پڑھنے بھی آتی تھی اور نورانی قاعدہ پڑھ رہی تھی، اس کو بعض دعائیں اور کچھ سورتیں، نظمیں بھی یاد تھیں جن کو وہ اپنی بیماری کے زمانے میں لطف لے کر دہراتی رہتی تھی، وہ گھر پر ضروری کام کرتی تھی اور گھر سے مدرسۃ البنات میں اور یہاں سے گھر دن میں کئی چکر لگاتی تھی اور اپنے چھوٹے بہن بھائی کو اور راقم کے چھوٹے بچوں کو ساتھ لے کر دوکان پر بھی جاتی تھی اور ان کو کھلاتی تھی، راقم عصر بعد جب والدہ سے ملنے گھر جاتا، تو وہ سراپا خدمت کے لیے تیار ہو جاتی، راقم کو پنکھا کرتی، پیر دباتی، اور میرے پاس کھڑی رہتی، اور جب میں مغرب بعد اپنی قیام گاہ کے لیے چلتا وہ کہتی چچا یہیں رہو، اس کی یہ ادائیں جب یاد آتی ہیں تو بے ساختہ آنسو نکل جاتے ہیں، اس کی بیماری اور تکلیف کا احساس ہوتا ہے تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، اور اللہ تعالی کی بے نیازی کا یقین ہونے لگتا ہے، پیاری عائشہ اپنی دادی کے پاس لیٹتی، ان کو آرام پہنچاتی اور ان کی خدمت کرتی، سب سے ادب کے ساتھ بولتی، عام بچوں کی طرح کوئی لغوم کام اور بے ہودہ کلام نہ کرتی، اللہ سے اپنی شفایابی کے لیے ہمیشہ دعا کرتی اور جو اس کے یاد آتا اس کو آواز سے پڑھ کر سناتی۔

والدین کے لئے ذخیرہ آخرت

عائشہ ایک پیاری اور معصوم بچی تھی جس کی وجہ سے اس سے قلبی لگاؤ و تعلق تھا، اس لیے یہ چند سطور اس کی یاد میں لکھ کر غم کو کچھ ہلکا کیا جا رہا ہے، اگر وہ دنیا میں رہتی تو کیا کرتی یہ تو بس اللہ ہی کو معلوم ہے، مگر اس تحریر کے ذریعہ اس کو یاد کیا جا رہا ہے اور تمام قارئین سے درخواست کی جا رہی ہے کہ وہ دعا فرمائیں اللہ تعالی اس بچی کو والدین و اقارب کیلئے ذخیرہ آخرت بنائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے اور اس کا نعم البدل عطا فرمائے۔

رَبِّ اغْفِرْلِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِأَسَاتِذَتِي وَلِمَشَائِخِي وَلِجَمِيعِ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ، إِنَّكَ سَمِيعٌ مُجِيبُ الدَّعَوَاتِ، رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ. وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ.